

تَفْيِيمُ الْوَلَنْ

سُورَةُ يُوسُف

QuranUrdu.com

۱۲

سید ابوالاعلم مودودی

فہرست

4	زمانہ نزول اور سبب نزول:	رکو ۱
4	مقاصدِ نزول:	رکو ۲
6	مباحث و مسائل:	رکو ۳
9	تاریخی و جغرافیائی حالات:	
14		رکو ۴
19		رکو ۵
26		رکو ۶
36		رکو ۷
42		رکو ۸
50		رکو ۹
54		رکو ۱۰
66		رکو ۱۱

73	رکو ۹۶
84	رکو ۱۰۶
88	رکو ۱۱۶
100	رکو ۱۲۶

QuranUrdu.com

زمانہ نزول اور سبب نزول:

اس سورے کے مضمون سے متشرع ہوتا ہے کہ یہ بھی زمانہ قیامِ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہو گی جبکہ قریش کے لوگ اس مسئلے پر غور کر رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں یا قید کر دیں۔ اُس زمانہ میں بعض کفارِ مکہ نے (غالباً یہودیوں کے اشارے پر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لیے آپ سے سوال کیا کہ بنی اسرائیل کے مصر جانے کا کیا سبب ہوا۔ چونکہ اہل عرب اس قصہ سے ناواقف تھے، اس کا نام و نشان تک ان کے ہاں کی روایات میں نہ پایا جاتا تھا، اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بھی اس سے پہلے کبھی اس کا ذکر نہ سنا گیا تھا، اس لیے انہیں توقع تھی کہ آپ یا تو اس کا مفصل جواب نہ دے سکیں گے، یا اس وقت ٹال مٹول کر کے بعد کسی یہودی سے پوچھنے کی کوشش کر دیں گے، اور اس طرح آپ کا بھرم کھل جائیگا۔ لیکن اس امتحان میں انہیں الٰہی منه کی کھانی پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کیا کہ فوراً اُسی وقت یوسف علیہ السلام کا یہ پورا قصہ آپ کی زبان پر جاری کر دیا، بلکہ مزید برآں اس قصے کو قریش کے اُس معاملہ پر چسپاں بھی کر دیا جو وہ برادران یوسف کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر رہے تھے۔

مقاصدِ نزول:

اس طرح یہ قصہ دو اہم مقاصد کے لیے نازل فرمایا گیا تھا:

ایک یہ کہ محمدؐ کی نبوت کا ثبوت، اور وہ بھی مخالفین کا اپنا منہ مانگا ثبوت بھم پہنچایا جائے، اور ان کے خود تجویز کردہ امتحان میں یہ ثابت کر دیا جائے کہ آپ سنی سنائی باتیں بیان نہیں کرتے بلکہ فی الواقع آپ کو وحی کے

ذریعہ سے علم حاصل ہوتا ہے۔ اس مقصد کو آیات ۳۰ اور ۷ میں بھی صاف صاف واضح کر دیا گیا ہے اور آیات ۱۰۲ اور ۱۰۳ میں بھی پورے زور کے ساتھ اس کی تصریح کی گئی ہے۔

دوسرے یہ کہ سردارانِ قریش اور محمدؐ کے درمیان اُس وقت جو معاملہ چل رہا تھا اس پر برادرانِ یوسف اور یوسفؐ کے قصے کو چسپاں کرتے ہوئے قریش والوں کو بتایا جائے کہ آج تم اپنے بھائی کے ساتھ وہی کچھ کر رہے ہو جو یوسف کے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا تھا۔ مگر جس طرح وہ خدا کی مشیت سے لڑنے میں کامیاب نہ ہوئے اور آخر کار اُسی بھائی کے قدموں میں آرہے جس کو انہوں نے کبھی انہنہاں بے رحمی کے ساتھ کنوں میں پھینکا تھا، اسی طرح تمہاری زور آزمائی بھی خدائی تدبیر کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکے گی اور ایک دن تمہیں بھی اپنے اسی بھائی سے رحم و کرم کی بھیک مانگنی پڑے گی جسے آج تم مٹا دینے پر تلے ہوئے ہو۔ یہ مقصد بھی سورہ کے آغاز میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ﴿قَدْ كَانَ فِيٰ يُوسُفَ وَالْخَوَّاتِهِ أَيْتُ لِلَّذِي أَيْلِدِيْنَ﴾۔ ”یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصے میں ان پوچھنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔“

حقیقت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے قصے کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے معاملے پر چسپاں کر کے قرآن مجید نے گویا ایک صریح پیش گوئی کر دی تھی جسے آئندہ دس سال کے واقعات نے حرف بحرف صحیح ثابت کر کے دکھادیا۔ اس سورہ کے نزول پر ڈیڑھ دو سال ہی گزرے ہوں گے کہ قریش والوں نے برادرانِ یوسف کی طرح محمدؐ کے قتل کی سازش کی اور آپؐ کو مجبوراً ان سے جان بچا کر مکہ سے نکلنا پڑا۔ پھر ان کی توقعات کے بالکل خلاف آپؐ کو بھی جلاوطنی میں ویسا ہی عروج و اقتدار نصیب ہوا جیسا یوسفؐ کو ہوا تھا۔ پھر فتح مکہ کے موقع پر ٹھیک ٹھیک وہی کچھ پیش آیا جو مصر کے پایہ تخت میں یوسفؐ کے سامنے ان کے بھائیوں کی آخری حضوری کے موقع پر پیش آیا تھا۔ وہاں جب برادرانِ یوسف انہنہاںی عجز و درماندگی کی

حالت میں ان کے آگے ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تَصَدَّقُ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَعْزِزِ
الْمُتَصَدِّقِينَ، ”ہم پر صدقہ کیجیے، اللہ صدقہ کرنے والوں کو نیک جزادیتا ہے“، تو یوسفؑ نے انتقام کی
 قدرت رکھنے کے باوجود انہیں معاف کر دیا اور فرمایا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ
وَهُوَ أَرَحَمُ الرَّحِيمِينَ ”آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب رحم کرنے والوں
 سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے“۔ اسی طرح جب یہاں محمدؐ کے سامنے شکست خورده قریش سرگوں کھڑے
 ہوئے تھے اور آنحضرتؐ ان کے ایک ایک ظلم کا بدلہ لینے پر قادر تھے تو آپؐ نے ان سے پوچھا ”تمہارا کیا
 خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟“ انہوں نے عرض کیا اخ کریمؓ وابن اخ کریمؓ ”آپؐ
 ایک عالی طرف بھائی ہیں، اور ایک عالی طرف بھائی کے بیٹے ہیں“۔ اس پر آپؐ نے فرمایا فان اقول لکم کما
 قال یوسف لاخوتہ، لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اذْهَبُوا فَاتَّمُوا الْطَّلَقاَءَ ”میں تمہیں وہی جواب دیتا ہوں جو
 یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا کہ آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تمہیں معاف کیا“۔

مباحث و مسائل:

یہ دو پہلو تو اس سورہ میں مقصدی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن اس قصے کو بھی قرآن مجید محس قصہ گوئی و تاریخ
 نگاری کے طور پر بیان نہیں کرتا بلکہ اپنے قاعدے کے مطابق وہ اسے اپنی اصل دعوت کی تبلیغ میں استعمال
 کرتا ہے۔

وہ اس پوری داستان میں یہ بات نمایاں کر کے دکھاتا ہے کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور حضرت یوسفؑ کا دین وہی تھا جو محمدؐ کا ہے اور اسی چیز کی طرف وہ بھی دعوت دیتے تھے جس کی طرف آج محمدؐ کے رہے ہیں۔

پھر وہ ایک طرف حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے کردار اور دوسری طرف برادران یوسفؑ، قافلہ تجارتی عزیز مصر، اس کی بیوی، بیگمات مصر اور حکام مصر کے کردار ایک دوسرے کے مقابلہ میں رکھ دیتا ہے اور محض اپنے اندازِ بیان سے سامعین و ناظرین کے سامنے یہ خاموش سوال پیش کرتا ہے کہ دیکھو، ایک نمونے کے کردار تو وہ ہیں جو اسلام، یعنی خدا کی بندگی اور حسابِ آخرت کے یقین سے پیدا ہوتے ہیں، اور دوسرے نمونے کے کردار وہ ہیں جو کفر و جاہلیت اور دنیا پر سی اور خدا و آخرت سے بے نیازی کے سانچوں میں ڈھل کر تیار ہوتے ہیں۔ اب تم خود اپنے ضمیر سے پوچھو کہ وہ ان میں سے کس نمونے کو پسند کرتا ہے۔ پھر اس قصے سے قرآن حکیم ایک اور گہری حقیقت بھی انسان کے ذہن نشین کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کام کرنا چاہتا ہے وہ بہر حال پورا ہو کر رہتا ہے۔ انسان اپنی تدبیروں سے اُس کے منصوبوں کو روکنے اور بد لئے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بسا اوقات انسان ایک کام اپنے منصوبے کی خاطر کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے ٹھیک نشانے پر تیر مار دیا مگر نتیجہ میں ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے اسی کے ہاتھوں سے وہ کام لے لیا جو اس کے منصوبے کے خلاف اور اللہ کے منصوبے کے عین مطابق تھا۔ یوسفؑ کے بھائی جب ان کو کنوں میں پھینک رہے تھے تو ان کا گمان تھا کہ ہم نے اپنی راہ کے کانٹے کو ہمیشہ کے لیے ہٹادیا۔ مگر فی الواقع انہوں نے یوسفؑ کو اس بام عروج کی پہلی سیڑھی پر اپنے ہاتھوں لا کھڑا کیا جس پر اللہ ان کو پہنچانا چاہتا تھا اور اپنی اس حرکت سے انہوں نے خود اپنے لیے اگر کچھ کمایا تو بس یہ کہ یوسفؑ کے بام عروج پر پہنچنے کے بعد بجائے اس کے کہ وہ عزت کے ساتھ اپنے بھائی کی ملاقات کو جاتے انہیں ندامت و

شرمساری کے ساتھ اسی بھائی کے سامنے سرگاؤں ہونا پڑا۔ عزیز مصر کی بیوی یوسفؑ کو قید خانے بھجو اکر اپنے نزدیک تو ان سے انتقام لے رہی تھی، مگر فی الواقع اس نے ان کے لیے تخت سلطنت پر پہنچنے کا راستہ صاف کیا اور اپنی اس تدبیر سے خود اپنے لیے اس کے سوا کچھ نہ کمایا کہ وقت آنے پر فرمانروانے ملک کی مرشیہ کھلانے کے بجائے اس کو علی الاعلان اپنی خیانت کے اعتراض کی شرمندگی اٹھانی پڑی۔ یہ محض دوچار مستثنی واقعات نہیں ہیں بلکہ تاریخ ایسی بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے جو اس حقیقت کی گواہی دیتی ہیں کہ اللہ جسے اٹھانا چاہتا ہے، ساری دنیا مل کر بھی اس کو نہیں گرا سکتی۔ بلکہ دنیا جس تدبیر کو اس کے گرانے کی نہایت کارگر اور یقینی تدبیر سمجھ کر اختیار کرتی ہے، اللہ اسی تدبیر میں سے اس کے اٹھنے کی صورتیں نکال دیتا ہے، اور ان لوگوں کے حصے میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں آتا جنہوں نے اسے گرانا چاہا تھا۔ اور اسی طرح اس کے بر عکس، خدا جسے گرانا چاہتا ہے اسے کوئی تدبیر سنبھال نہیں سکتی، بلکہ سنبھالنے کی ساری تدبیریں الٹی پڑتی ہیں، اور ایسی تدبیریں کرنے والوں کو منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

اس حقیقت حال کو اگر کوئی سمجھ لے تو اسے پہلا سبق تو یہ ملے گا کہ انسان کو اپنے مقاصد اور اپنی تدابیر، دونوں میں اُن حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہیے جو قانون اللہ میں اس کے لیے مقرر کر دی گئی ہیں۔ کامیابی و ناکامی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جو شخص پاک مقصد کے لیے سیدھی سیدھی جائز تدبیر کرے گا وہ اگر ناکام بھی ہو تو بہر حال ذلت و رسوائی سے دوچار نہ ہو گا۔ اور جو شخص ناپاک مقصد کے لیے ٹیڑھی تدبیریں کرے گا وہ آخرت میں تو یقیناً رسواء ہو گا، مگر دنیا میں بھی اس کے لیے رسوائی کا خطرہ کچھ کم نہیں ہے۔ دوسرا اہم سبق اس سے تو گل علی اللہ اور تفویض الی اللہ کا ملتا ہے۔ جو لوگ حق اور صداقت کے لیے سعی کر رہے ہوں اور دنیا نہیں مٹا دیں پر تُلی ہوئی ہو وہ اگر اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں تو انہیں اس سے غیر

معمولی تسلیم حاصل ہوگی، اور مختلف طاقتوں کی بظاہر نہایت خوفناک تدبیروں کو دیکھ کروہ قطعاً ہر اساحنے ہوں گے، بلکہ نتائج کو اللہ پر چھوڑتے ہوئے اپنا اخلاقی فرض انعام دیے چلے چائیں گے۔ مگر سب سے بڑا سبق جو اس قصے سے ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک مرد مومن اگر حقیقی اسلامی سیرت رکھتا ہو اور حکمت سے بھی بہرہ یاب ہو، تو وہ محض اپنے اخلاق کے زور سے ایک پورے ملک کو فتح کر سکتا ہے۔ یوسفؐ کو دیکھیے۔ ابرس کی عمر، تن تہا، بے سروسامان، اجنبی ملک اور پھر کمزوری کی انتہا یہ کہ غلام بن اکر بیچے گئے ہیں۔ تاریخ کے اُس دور میں غلاموں کی جو حیثیت تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس پر مزید یہ کہ ایک شدید اخلاقی جرم کا الزام لگا کر انہیں جیل بھیج دیا گیا جس کی میعادِ سزا بھی کوئی نہ تھی۔ اس حالت تک گر ادیے جانے کے بعد وہ محض اپنے ایمان اور اخلاق کے بل پر اٹھتے ہیں اور بالآخر پورے ملک کو مسخر کر لیتے ہیں۔

تاریخی و جغرافیائی حالات:

اس قصے کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مختصرًا اس کے متعلق کچھ تاریخی و جغرافی معلومات بھی ناظرین کے پیش نظر رہیں:

حضرت یوسفؐ، حضرت یعقوبؐ کے بیٹے، حضرت اسحاقؐ کے پوتے اور حضرت ابراہیمؐ کے پرپوتے تھے۔ باہیبل کے بیان کے مطابق (جس کی تائید قرآن کے اشارات سے بھی ہوتی ہے) حضرت یعقوبؐ کے بارہ بیٹے چار بیویوں سے تھے، حضرت یوسفؐ اور ان کے چھوٹے بھائی بن یکمین ایک بیوی سے، اور باقی دس دوسری بیویوں سے۔

فلسطین میں حضرت یعقوبؑ کی جائے قیام حبرون (موجودہ الخیل) کی وادی میں تھی جہاں حضرت اسحاقؑ اور ان سے پہلے حضرت ابراہیمؑ رہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت یعقوبؑ کی کچھ زمین سکم (موجودہ نابلس) میں بھی تھی۔

بانیبل کے علماء کی تحقیق اگر درست مانی جائے تو حضرت یوسفؑ کی پیدائش سن ۱۹۰۶ قبل مسیح کے لگ بھگ زمانے میں ہوئی اور سن ۱۸۹۰ قبل مسیح کے قریب زمانے میں وہ واقعہ پیش آیا جس سے اس قصہ کی ابتدا ہوئی ہے، یعنی خواب دیکھنا اور پھر کنوئیں میں پھینکنا جانا۔ اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر ستہ برس کی تھی۔ جس کنوئیں میں وہ پھینکنے گئے وہ بانیبل اور تلمود کی روایات کے مطابق سکم کے شمال میں دو تن (موجودہ دُثان) کے قریب واقع تھا، اور جس قافلے نے انہیں کنوئیں سے نکالا وہ جلعاد (شرق اردن) سے آرہا تھا اور مصر کی طرف عازم تھا۔ (جلعاد کے کھنڈ راب بھی دریائے اردن کے مشرق میں وادی الیاس کے کنارے واقع ہیں)۔

مصر پر اس زمانے میں پندرہویں خاندان کی حکومت تھی جو مصری تاریخ میں چروائے بادشاہوں (Hyksos Kings) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ عربی النسل تھے اور فلسطین و شام سے مصر جا کر ۲ ہزار برس قبل مسیح کے لگ بھگ زمانہ میں سلطنت مصر پر قابض ہو گئے تھے۔ عرب مورخین اور مفسرین قرآن نے ان کے لیے ”عمالیق“ کا نام استعمال کیا ہے جو مصریات کی موجودہ تحقیقات سے ٹھیک مطابقت رکھتا ہے۔ مصر میں یہ لوگ اجنبی حملہ آور کی حیثیت رکھتے تھے اور ملک کی خانگی نژادیات کے سب سے انہیں وہاں اپنی بادشاہی قائم کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ یہی سبب ہوا کہ ان کی حکومت میں حضرت یوسفؑ کو عروج حاصل کرنے کا موقع ملا اور پھر بنی اسرائیل وہاں ہاتھوں ہاتھ لیے گئے، ملک کے بہترین زرخیز علاقے میں آباد کیے گئے اور ان کو وہاں بڑا اثر و سوخ حاصل ہوا، کیونکہ وہ ان غیر ملکی حکمرانوں کے

ہم جس تھے۔ پندرہویں صدی قبل مسیح کے اوآخر تک یہ لوگ مصر پر قابض رہے اور ان کے زمانے میں ملک کا سارا اقتدار عملاء بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہا۔ اسی دور کی طرف سورۃ مائدہ آیت ۲۰ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ **إذ جَعَلَ فِيْكُمْ أَنْيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوكًا** اس کے بعد ملک میں ایک زبردست قوم پرستانہ تحریک اٹھی جس نے ہکسوس اقتدار کا تحفظہ الٹ دیا۔ ڈھائی لاکھ کی تعداد میں عمالقہ ملک سے نکال دیے گئے۔ ایک نہایت متعصب قبطی اللسل خاندان بر سر اقتدار آگیا اور اس نے عمالقہ کے زمانے کی یاد گاروں کو چن چن کر مٹا دیا اور بنی اسرائیل پر اُن مظالم کا سلسلہ شروع کیا جن کا ذکر حضرت موسیٰؑ کے قصے میں آتا ہے۔

مصری تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان چروانی ہے بادشاہوں نے مصری دیوتاؤں کو تسلیم نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے دیوتاشام سے اپنے ساتھ لائے تھے اور ان کی کوشش یہ تھی کہ مصر میں ان کا مذہب راجح ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید حضرت یوسفؐ کے ہم عصر بادشاہ کو ”فرعون“ کے نام سے یاد نہیں کرتا۔ کیونکہ ”فرعون“ مصر کی مذہبی اصطلاح تھی اور یہ لوگ مصری مذہب کے قائل نہ تھے۔ لیکن بائیبل میں غلطی سے اس کو بھی ”فرعون“ ہی کا نام دیا گیا ہے۔ شاید اس کے مرتب کرنے والے سمجھتے ہوں گے کہ مصر کے سب بادشاہ ”فراعنہ“ ہی تھے۔

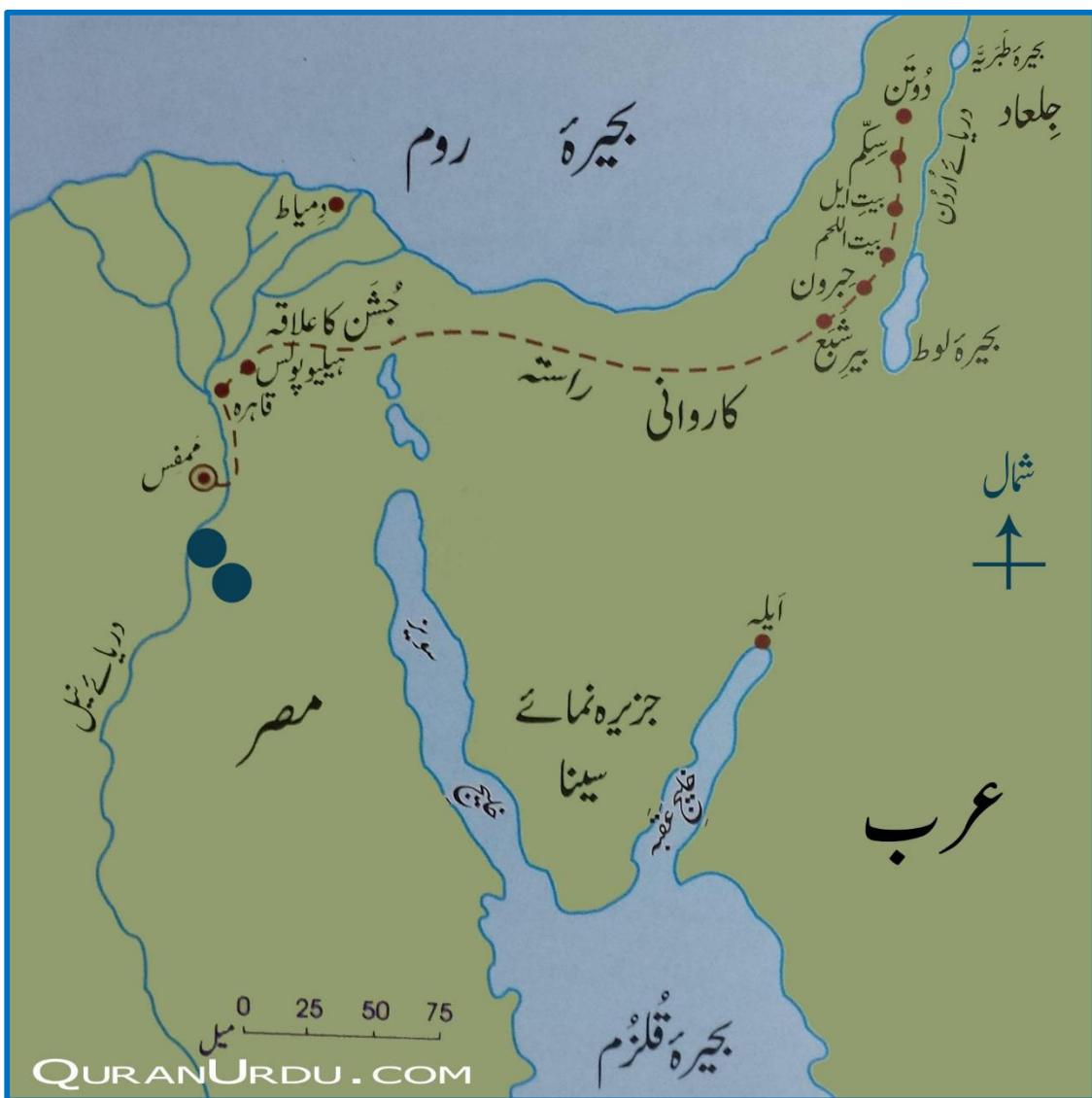
موجودہ زمانہ کے محققین، جنہوں نے بائیبل اور مصری تاریخ کا تقابل کیا ہے، عام رائے یہ رکھتے ہیں کہ چروانی ہے بادشاہوں میں سے جس فرمزاڑوا کا نام مصری تاریخ میں اپوفیس (Apophis) ملتا ہے، وہی حضرت یوسفؐ کا ہم عصر تھا۔

مصر کا دارالسلطنت اُس زمانہ میں مفس (منف) تھا جس کے کھنڈر قاہرہ کے جنوب میں ۱۳ میل کے فاصلے پر پائے جاتے ہیں۔ حضرت یوسفؐ ۱۸ سال کی عمر میں وہاں پہنچے۔ دو تین سال عزیز مصر کے گھر رہے۔

آٹھ نو سال جیل میں گزارے۔ ۳۰ سال کی عمر میں ملک کے فرمانروا ہوئے اور ۸۰ سال تک بلا شرکت غیرے تمام مملکت مصر پر حکومت کرتے رہے۔ اپنی حکومت کے نویں یادسوں سال انہوں نے حضرت یعقوبؑ کو اپنے پورے خاندان کے ساتھ فلسطین سے مصر بلالیا اور اس علاقے میں آباد کیا جو دمیاط اور قاہرہ کے درمیان واقع ہے۔ بائبل میں اس علاقے کا جشن یا گوشن بتایا گیا ہے۔ حضرت موسیؑ کے زمانے تک یہ لوگ اسی علاقے میں آباد رہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ حضرت یوسفؑ نے ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی اور انتقال کے وقت بنی اسرائیل کو وصیت کی کہ جب تم اس ملک سے نکلو تو میری ہڈیاں اپنے ساتھ لے کر جانا۔

یوسفؑ کے قصے کی جو تفصیلات بائبل اور تلمود میں بیان کی گئی ہیں ان سے قرآن کا بیان بہت کچھ مختلف ہے، مگر قصے کو اہم اجزاء میں تینوں متفق ہیں۔ ہم اپنے حواشی میں حسب ضرورت ان اختلافات کو واضح کرتے جائیں گے۔

لُقْشَةٌ قَصَّةٌ لِيُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ



دو تین: وہ مقام ہے جہاں بائبل لے بیان کے مطابق برادران یوسف نے حضرت یوسفؑ کو کنویں میں پھینکا۔

سکھ: وہ مقام جہاں حضرت یعقوبؑ کی آبائی جائیداد تھی۔ اب اس مقام کا نام نا بلس ہے۔

جزرون: وہ مقام جہاں حضرت یعقوبؑ رہتے تھے۔ اس کو اخْلیل بھی کہتے ہیں۔

مفہس: مصر کا قدیم یا پیغمبر مسیح تھت۔ اب اہل مصر اس کو منف کہتے ہیں۔

جُشن: وہ علاقہ جہاں حضرت پُوسفٌ نے مصر میں بنی اسرائیل کو آباد کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رُكْوَةٌ

الرَّ تِلْكَ أَيْتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿١﴾ إِنَّا آنْزَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢﴾
 نَحْنُ نَقْصُ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنَ ۝ وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ
 لَمِنَ الْغَفِيلِينَ ﴿٣﴾ إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكِبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
 رَأَيْتُهُمْ لِي سَجِيدِينَ ﴿٤﴾ قَالَ يُبَيِّنَ لَا تَقْصُصْ رُعْيَاكَ عَلَى إِخْرَاتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۝ إِنَّ
 الشَّيْطَنَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٥﴾ وَ كَذَلِكَ يَجْتَبِيُكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ
 الْأَحَادِيثِ وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَ عَلَى أَهْلِ يَعْقُوبَ كَمَا آتَتَهَا عَلَى أَبْوَيْكَ مِنْ قَبْلِ إِبْرَاهِيمَ وَ
 إِسْحَاقَ ۝ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٦﴾

دکو٤۱

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

اہل، ر۔ یہ اُس کتاب کی آیات ہیں جو اپنا مدد عاصف صاف بیان کرتی ہے۔ ہم نے اسے نازل کیا ہے قرآن ¹ بنایا کہ عربی زبان میں تاکہ تم ﴿اہل عرب﴾ اس کو اچھی طرح سمجھ سکو۔ ² اے محمد، ہم اس قرآن کو تمہاری طرف وحی کر کے بہترین پیرایہ میں واقعات اور حقائق تم سے بیان کرتے ہیں، ورنہ اس سے پہلے تو ﴿ان چیزوں سے﴾ تم بالکل ہی بے خبر تھے۔ ³

یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب یوسف [ؑ] نے اپنے باپ سے کہا ”ابا جان، میں نے خواب دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند ہیں اور وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔“ جواب میں اس کے باپ نے کہا، ”بیٹا، اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ شناہناور نہ وہ تیرے درپے آزار ہو جائیں گے، ⁴ حقیقت یہ ہے کہ شیطان آدمی کا گھلاد شمن ہے، اور ایسا ہی ہو گا ﴿جیسا تو نے خواب میں دیکھا ہے کہ﴾ تیر ارب [ؑ] تجھے ﴿اپنے کام کے لیے﴾ منتخب کرے گا ⁵ اور تجھے باقتوں کی تھے تک پہنچنا سکھائے گا ⁶ اور تیرے اوپر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت اسی طرح پوری کرے گا جس طرح اس سے پہلے وہ تیرے بزرگوں، ابراہیم [ؑ] اور اسحاق [ؑ] پر کر چکا ہے، یقیناً تیر ارب علیم اور حکیم ہے۔ ⁷“^۶

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 1 ▲

قرآن مصدر ہے قرآن یقروء سے۔ اس کے اصل معنی ہیں ”پڑھنا“۔ مصدر کو کسی چیز کے لیے جب نام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اس شے کے اندر معنی مصدری بدرجہ کمال پایا جاتا ہے۔ مثلا جب کسی شخص کو ہم بہادر کہنے کے بجائے ”بہادری“ کہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس کے اندر شجاعت ایسی کمال درجہ کی پائی جاتی ہے کہ گویا وہ اور شجاعت ایک چیز ہیں۔ پس اس کتاب کا نام ”قرآن“ (پڑھنا) رکھنے کا مطلب یہ ہوا کہ یہ عام و خاص سب کے پڑھنے کے لیے ہے اور بکثرت پڑھی جانے والی چیز ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 2 ▲

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کتاب مخصوص طور پر اہل عرب ہی کے لیے نازل کی گئی ہے۔ بلکہ اس فقرے کا اصل مدعا یہ کہنا ہے کہ ”اے اہل عرب، تمہیں یہ بتیں کسی یونانی یا ایرانی زبان میں تو نہیں سنائی جا رہی ہیں، تمہاری اپنی زبان میں ہیں، لہذا تم نہ تو یہ عذر پیش کر سکتے ہو کہ یہ بتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں اور نہ یہی ممکن ہے کہ اس کتاب میں اعجاز کے جو پہلو ہیں، جو اس کے کلام الٰہی ہونے کی شہادت دیتے ہیں، وہ تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ رہ جائیں۔“

بعض لوگ قرآن مجید میں اس طرح کے فقرے دیکھ کر اعتراض پیش کرتے ہیں کہ یہ کتاب تو اہل عرب کے لیے ہے، غیر اہل عرب کے لیے نازل ہی نہیں کی گئی ہے، پھر اسے تمام انسانوں کے لیے ہدایت کیسے کھا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ محض ایک سرسری سا اعتراض ہے جو حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کیے بغیر جڑ دیا جاتا ہے۔ انسانوں کی عام ہدایت کے لیے جو چیز بھی پیش کی جائے گی وہ بہر حال انسانی زبانوں میں سے کسی ایک زبان ہی میں پیش کی جائے گی، اور اس کے پیش کرنے والے کی کوشش یہی ہو گی کہ پہلے وہ اس قوم کو اپنی

تعلیم سے پوچھی طرح متاثر کرے جس کی زبان میں وہ اسے پیش کر رہا ہے، پھر وہی قوم دوسرا قوموں تک اس تعلیم کے پہنچنے کا وسیلہ بنے۔ یہی ایک فطری طریقہ ہے کسی دعوت و تحریک کے بین الاقوامی پیمانے پر پھیلنے کا۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 3

سورہ کے دیباچے میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ کفار مکہ میں سے بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لیے، بلکہ اپنے نزدیک آپ کا بھرم کھولنے کے لیے، غالباً یہودیوں کے اشارے پر، آپ کے سامنے اچانک یہ سوال پیش کیا تھا کہ بنی اسرائیل کے مصر پہنچنے کا کیا سبب ہوا۔ اسی بنا پر ان کے جواب میں تاریخ بنی اسرائیل کا یہ باب پیش کرنے سے پہلے تمہید ایہ فقرہ ارشاد ہوا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم ان واقعات سے بے خبر تھے، دراصل یہ ہم ہیں جو وحی کے ذریعہ سے تمہیں ان کی خبر دے رہے ہیں۔ بظاہر اس فقرے میں خطاب بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، لیکن اصل میں روئے سخن ان مخالفین کی طرف ہے جن کو یقین نہ تھا کہ آپ کو وحی کے ذریعہ سے علم حاصل ہوتا ہے۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 4

اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے وہ دس بھائی ہیں جو دوسری ماڈل سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو معلوم تھا کہ یہ سوتیلے بھائی یوسف علیہ السلام سے حسر رکھتے ہیں اور اخلاق کے لحاظ سے بھی ایسے صالح نہیں ہیں کہ اپنا مطلب نکالنے کے لیے کوئی ناروا کارروائی کرنے میں انہیں کوئی تأمل ہو، اس لیے انہوں نے اپنے صالح بیٹے کو متنبہ فرمادیا کہ ان سے ہوشیار رہنا۔ خواب کا صاف مطلب یہ تھا کہ سورج سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام، چاند سے مراد ان کی بیوی (حضرت یوسف علیہ السلام کی سوتیلی والدہ) اور گیارہ ستاروں سے مراد گیارہ بھائی ہیں۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 5 ▲

یعنی نبوّت عطا کرے گا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 6 ▲

”تَأْوِيلُ الْأَحَادِيثِ“، کامطلب محسن تعبیر خواب کا علم نہیں ہے جیسا کہ گمان کیا گیا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے معاملہ فہمی اور حقیقت رسمی کی تعلیم دے گا اور وہ بصیرت تجھ کو عطا کرے گا جس سے تو ہر معاملہ کی گہرائی میں اترنے اور اس کی تہہ کو پالینے کے قابل ہو جائے گا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 7 ▲

بانبل اور تلمود کا بیان قرآن کے اس بیان سے مختلف ہے۔ ان کا بیان یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب سن کر بیٹے کو خوب ڈالنا اور کہا، اچھا اب تو یہ خواب دیکھنے لگا ہے کہ میں اور تیری ماں اور تیرے سب بھائی تجھے سجدہ کریں گے۔ لیکن ذرا غور کرنے سے باسانی یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیغمبرانہ سیرت سے قرآن کا بیان زیادہ مناسبت رکھتا ہے نہ کہ بانبل اور تلمود کا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب بیان کیا تھا، کوئی اپنی تمنا اور خواہش نہیں بیان کی تھی خواب اگر سچا تھا، اور ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو اس کی تعبیر نکالی وہ سچا خواب ہی سمجھ کر نکالی تھی، تو اس کے صاف معنی یہ تھے کہ یہ یوسف علیہ السلام کی خواہش نہیں تھی بلکہ تقدیر الٰہی کا فیصلہ تھا کہ ایک وقت ان کو یہ عروج حاصل ہوا۔ پھر کیا ایک پیغمبر تو در کنار ایک معقول آدمی کا بھی یہ کام ہو سکتا ہے کہ ایسی بات پر برآمانے اور خواب دیکھنے والے کو الٰہی ڈانٹ پلانے؟ اور کیا کوئی شریف باپ ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اپنے ہی بیٹے کے آئندہ عروج کی بشارت سن کر خوش ہونے کے بجائے الٹا جل بھن جائے؟

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْرَجَتْهُ أَيْتُ لِلَّسَآءِيلِينَ ﴿١﴾ إِذْ قَالُوا يُوسُفُ وَأَخْوَهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مَنِّا
 وَنَحْنُ عُصَبَةٌ طِّينَ أَنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢﴾ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوْ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ نَكْمُ
 وَجْهُهُ أَبِيهِكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَلِحِينَ ﴿٣﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقُوَّةُ
 فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَعِيلِينَ ﴿٤﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا
 عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَصِحُونَ ﴿٥﴾ أَرْسِلُهُ مَعَنَا خَدَا يَرْتَقِعُ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ﴿٦﴾ قَالَ إِنِّي
 لَيَخْرُنُنِي أَنْ تَذَهَّبُوا إِلَيْهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَفِلُونَ ﴿٧﴾ قَالُوا لَيْسَنِ آكَلُهُ
 الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصَبَةٌ إِنَّا إِذَا كَسِرُونَ ﴿٨﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوا إِلَيْهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيْبَتِ
 الْجُبِّ وَأُوحِيَنَا إِلَيْهِ لَتَنْبِئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾ وَجَاءُوْ وَأَبَاهُمْ عِشَاءً
 يَبْكُونَ ﴿١٠﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَقِيقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاكَلَهُ الذِّئْبُ وَ
 مَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَدِيقِينَ ﴿١١﴾ وَجَاءُوْ وَعَلَى قَمِيصِهِ بِدَمِ رَكْذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلْتُ
 نَكْمُ أَنْفُسْكُمْ أَمْرًا فَصَبَرْ جَمِيلٌ طِّيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ﴿١٢﴾ وَجَاءَتْ سَيَارَةٌ
 فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ طِّيلٌ قَالَ يَبْشِرُهُ هَذَا غُلْمَمٌ طِّيلٌ وَأَسْرُوهُ بِضَاعَةً طِّيلٌ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا
 يَعْمَلُونَ ﴿١٣﴾ وَشَرَوْهُ بِشَمِينَ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٌ طِّيلٌ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ النَّاهِدِينَ ﴿١٤﴾

دکو٤

حقیقت یہ ہے کہ یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں ان پوچھنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ قصہ یوں شروع ہوتا ہے کہ اس کے بھائیوں نے آپس میں کہا ”یہ یوسف اور اس کا بھائی،⁸ دونوں ہمارے والد کو ہم سب سے زیادہ محبوب ہیں حالانکہ ہم ایک پورا جھٹا ہیں،“ چھی بات یہ ہے کہ ہمارے ابا جان بالکل ہی بہک گئے ہیں۔⁹ چلو یوسف کو قتل کر دو یا اسے کہیں پھینک دو تاکہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری ہی طرف ہو جائے۔ یہ کام کر لینے کے بعد پھر نیک بن رہنا۔¹⁰ ”اس پران میں سے ایک بولا“ یوسف کو قتل نہ کرو، اگر کچھ کرنا ہی ہے تو اسے کسی اندھے کنویں میں ڈال دو، کوئی آتا جاتا قافلہ اسے نکال لے جائے گا۔“ اس قرارداد پر انہوں نے جا کر اپنے باپ سے کہا ”ابا جان، کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے معاملہ میں ہم پر بھروسہ نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے سچے خیر خواہ ہیں؟ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے، کچھ چرچاگ لے گا اور کھیل گود سے بھی دل بہلانے گا۔ ہم اس کی حفاظت کو موجود ہیں۔¹¹“ باپ نے کہا ”تمہارا اسے لے جانا مجھے شاق گزرتا ہے اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ پھاڑ کھائے جب کہ تم اس سے غافل ہو۔“ انہوں نے جواب دیا ”اگر ہمارے ہوتے اسے بھیڑیے نے کھالیا، جب کہ ہم ایک جنختا ہیں، تب تو ہم بڑے ہی نکمے ہوں گے۔“ اس طرح اسرار کر کے جب وہ اسے لے گئے اور انہوں نے طے کر لیا کہ اسے ایک اندھے کنویں میں چھوڑ دیں، تو ہم نے یوسف کو وحی کی کہ ”ایک وقت آئے گا جب تو ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت جتائے گا، یہ اپنے فعل کے نتائج سے بے خبر ہیں۔¹²“ شام کو وہ روتے پیٹتے اپنے باپ کے پاس آئے اور کہا ”ابا جان، ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ اتنے میں بھیڑیا آ کر اُسے کھا گیا۔ آپ ہماری بات کا یقین نہ کریں

گے چاہے ہم سچے ہی ہوں۔ ”اور وہ یوسف کی قمیص پر جھوٹ مُوت کا خون لگا کر لے آئے تھے۔ یہ سن کر اُنے باپ نے کہا ”بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک بڑے کام کو آسان بنادیا۔ اچھا، صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا، **13** جو بات تم بنارہے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے۔ **14**“

اُدھر ایک قافلہ آیا اور اُس نے اپنے سقے کو پانی لانے کے لیے بھیجا۔ سقے نے جو کنوں میں ڈول ڈالا تو یوسف کو دیکھ کر پکارا اٹھا ”مبارک ہو، یہاں تو ایک لڑکا ہے۔“ ان لوگوں نے اُس کو مالِ تجارت سمجھ کر چھپا لیا، حالانکہ جو کچھ وہ کر رہے تھے خدا اُس سے باخبر تھا۔ آخر کار انہوں نے اس کو تھوڑی سی قیمت پر چند درہموں کے عوض بچ ڈالا **15** اور وہ اس کی قیمت کے معاملہ میں کچھ زیادہ کے امیدوار نہ تھے۔ **۶**

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 8 ▲

اس سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی بنیامین ہیں جو ان سے کئی سال چھوٹے تھے۔ ان کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ان دونوں بے ماں کے بچوں کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اس سے محبت کی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی ساری اولاد میں صرف ایک حضرت یوسف علیہ السلام ہی ایسے تھے جن کے اندر ان کو آثار رشد و سعادت نظر آتے تھے۔ اوپر حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب سن کر انہوں نے جو کچھ فرمایا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس بیٹے کی غیر معمولی صلاحیتوں سے خوب واقف تھے۔ دوسری طرف ان دس بڑے صاحبوزادوں کی سیرت کا جو حال تھا اس کا اندازہ بھی آگے کے واقعات سے ہو جاتا ہے۔ پھر کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ ایک نیک انسان ایسی اولاد سے خوش رہ سکے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ بائیبل میں برادران یوسف علیہ السلام کے حد کی ایک ایسی وجہ بیان کی گئی ہے جس سے الٹا لازام حضرت یوسف علیہ السلام پر عائد ہوتا ہے۔ اس

کا بیان ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھائیوں کی چغلیاں باپ سے کھایا کرتے تھے اس وجہ سے بھائی ان سے ناراض تھے۔

سورہ یوسف حاشیہ نمبر: 9 ▲

اس فقرے کی روح سمجھنے کے لیے بد ویانہ قبائلی زندگی کے حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جہاں کوئی ریاست موجود نہیں ہوتی اور آزاد قبائل ایک دوسرے کے پہلو میں آباد ہوتے ہیں، وہاں ایک شخص کی قوت کا سارا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ اس کے اپنے بیٹے، پوتے، بھائی، بھتیجے بہت سے ہوں جو وقت آنے پر اس کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے لیے اس کا ساتھ دے سکیں۔ ایسے حالات میں عورتوں اور بچوں کی بہ نسبت فطری طور پر آدمی کو وہ جوان بیٹے زیادہ عزیز ہوتے ہیں جو دشمنوں کے مقابلہ میں کام آسکتے ہوں۔ اسی بنا پر ان بھائیوں نے کہا کہ ہمارے والد بڑھاپے میں سٹیا گئے ہیں۔ ہم جوان بیٹوں کا جھٹا، جو برے وقت پر ان کے کام آسکتا ہے، ان کو اتنا عزیز نہیں ہے جتنے یہ چھوٹے چھوٹے بچے جوان کے کسی کام نہیں آسکتے بلکہ الطے خود ہی حفاظت کے محتاج ہیں۔

سورہ یوسف حاشیہ نمبر: 10 ▲

یہ فقرہ ان لوگوں کے نفسیات کی بہترین ترجمانی کرتا ہے جو اپنے آپ کو خواہشات نفس کے حوالے کر دینے کے ساتھ ایمان اور نیکی سے بھی کچھ رشتہ جوڑے رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ جب کبھی نفس ان سے کسی برے کام کا تقاضا کرتا ہے تو وہ ایمان کے تقاضوں کو ملتی کر کے پہلے نفس کا تقاضا پورا کرنے پر تل جاتے ہیں اور جب ضمیر اندر سے چنکیاں لیتا ہے تو اسے یہ کہہ کر تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ ذرا صبر کر، یہ ناگزیر گناہ، جس سے ہمارا کام اٹکا ہوا ہے، کر گزرنے دے، پھر ان شاء اللہ ہم توبہ کر کے ویسے ہی نیک بن جائیں گے جیسا تو ہمیں دیکھنا چاہتا ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 11 ▲

یہ بیان بھی بانبیل اور تلمود کے بیان سے مختلف ہے۔ ان کی روایت یہ ہے کہ برادران یوسف علیہ السلام اپنے مویشی چرانے کے لیے سکم کی طرف گئے ہوئے تھے اور ان کے پچھے خود حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی تلاش میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ مگر یہ بات بعد از قیاس ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے حسد کا حال جانے کے باوجود انہیں آپ اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں بھیجا ہو۔ اس لیے قرآن کا بیان ہی زیادہ مناسب حال معلوم ہوتا ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 12 ▲

متن میں وَ هُمْ لَا يَشْعُرُونَ کے الفاظ کچھ ایسے انداز سے آئے ہیں کہ ان سے تین معنی نکلتے ہیں اور تنیوں ہی لگتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم یوسف علیہ السلام کو یہ تسلی دے رہے تھے اور اس کے بھائیوں کو کچھ خبر نہ تھی کہ اس پر وحی جاری ہے۔ دوسرے یہ کہ تو ایسے حالات میں ان کی یہ حرکت انہیں جتنا گا جہاں تیرے ہونے کا انہیں وہم و گمان تک نہ ہو گا۔ تیسرا یہ کہ آج یہ بے سمجھے بوجھے ایک حرکت کر رہے ہیں اور انہیں جانتے کہ آئندہ اس کے نتائج کیا ہونے والے ہیں۔

بانبل اور تلمود اس ذکر سے خالی ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوسف علیہ السلام کو کوئی تسلی بھی دی گئی تھی۔ اس کے بجائے تلمود میں جو روایت بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کنوں میں ڈالے گئے تو وہ بہت بلبلائے اور خوب چیخ چیخ کر انہوں نے بھائیوں سے فریاد کی۔ قرآن کا بیان پڑھیے تو محسوس ہو گا کہ ایک ایسے نوجوان کا بیان ہو رہا ہے جو آگے جل کر تاریخ انسانی کی عظیم ترین شخصیتوں میں شمار ہونے والا ہے۔ تلمود کو پڑھیے تو کچھ ایسا نقشہ سامنے آئے گا کہ صحر امیں چند بد و ایک لڑکے کو کنوں میں پھینک رہے ہیں اور وہ وہی کچھ کر رہا ہے جو ہر لڑکا ایسے موقع پر کرے گا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 13 ▲

متن میں ”صبر جمیل“ کے الفاظ ہیں جن کا لفظی ترجمہ ”اچھا صبر“ ہو سکتا ہے۔ اس سے مراد ایسا صبر ہے جس میں شکایت نہ ہو، فریاد نہ ہو، جزع فزع نہ ہو، ٹھنڈے دل سے اس مصیبت کو برداشت کیا جائے جو ایک عالی ظرف انسان پر آپڑی ہو۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 14 ▲

بائیبل اور تلمود یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کے تاثر کا نقشہ بھی کچھ ایسا کھینچتی ہیں جو کسی معمولی باپ کے تاثر سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔ بائیبل کا بیان یہ ہے کہ ”تب یعقوب علیہ السلام نے اپنا پیرا، ہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا۔“ اور تلمود کا بیان ہے کہ ”یعقوب بیٹے کا قمیص پہچانتے ہی اوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور دیر تک بے حس و حرکت پڑا رہا، پھر اٹھ کر بڑے زور سے چینا کہ ہاں یہ میرے بیٹے ہی کا قمیص ہے اور وہ سالہا سال تک یوسف علیہ السلام کا ماتم کرتا رہا۔“ اس نقشے میں حضرت یعقوب علیہ السلام وہی کچھ کرتے نظر آتے ہیں جو ہر باپ ایسے موقع پر کرے گا۔ لیکن قرآن جو نقشہ پیش کر رہا ہے اس سے ہمارے سامنے ایک ایسے غیر معمولی انسان کی تصویر آتی ہے جو کمال درجہ بردار و باوقار ہے، اتنی بڑی غم انگیز خبر سن کر بھی اپنے دماغ کا توازن نہیں کھوتا، اپنی فراست سے معاملہ کہ ٹھیک ٹھیک نوعیت کو بھانپ جاتا ہے کہ یہ ایک بناؤں بات ہے جو ان حاسد بیٹوں نے بنائیں کی ہے، اور پھر عالی ظرف انسانوں کی طرح صبر کرتا ہے اور خدا پر بھروسہ کرتا ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 15 ▲

اس معاملہ کی سادہ صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ برادران یوسف علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کو کنوں میں پھینک کر چلے گئے تھے بعد میں قافلے والوں نے آکر ان کو وہاں سے نکالا اور مصر لے جا کر بیچ دیا۔ مگر بائیبل کا بیان ہے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے بعد میں اسماعیلیوں کے ایک قافلے کو دیکھا اور

چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال ان کے ہاتھ پیچ دیں۔ لیکن اس پہلے ہی مدین کے سوداگر انہیں کنویں سے نکال چکے تھے۔ ان سوداگروں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بیس روپے میں اسماعیلیوں کے ہاتھ پیچ ڈالا۔ پھر آگے چل کر بائیبل کے مصنفوں یہ بھول جاتے ہیں کہ اوپر وہ اسماعیلیوں کے ہاتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کراچکے ہیں۔ چنانچہ وہ اسماعیلیوں کے بجائے پھر مدین ہی کے سوداگروں سے مصر میں انہیں دوبارہ فروخت کراتے ہیں (ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۷۳۔ آیت ۲۵ تا ۲۸ و آیت ۳۶)۔ اس کے برعکس تلمود کا بیان ہے کہ مدین کے سوداگروں نے یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر اپنا غلام بنالیا۔ پھر برادران یوسف علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے قبضہ میں دیکھ کر ان سے جھگڑا کیا۔ آخر کار انہوں نے ۲۰ درہم قیمت ادا کر کے برادران یوسف علیہ السلام کو راضی کیا۔ پھر انہوں نے بیس ہی درہم میں یوسف علیہ السلام کو اسماعیلیوں کے ہاتھ پیچ دیا اور اسماعیلیوں نے مصر لے جا کر انہیں فروخت کیا۔ یہیں سے مسلمانوں میں یہ روایت مشہور ہوئی ہے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فروخت کیا تھا۔ لیکن واضح رہنا چاہیے کہ قرآن اس روایت کی تائید نہیں کرتا۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مَصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثُوبَةُ عَسَى أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَخَذَهُ وَلَدًا ط
 وَكَذِيلَكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعْلِمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى
 أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ٢٤ وَلَمَّا بَلَغَ أَشْدَهَ أَتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ط
 كَذِيلَكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ٢٥ وَرَأَوْدَتُهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَقَتِ الْأَبْوَابَ وَ
 قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ط قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثُوايٍ ط إِنَّهُ لَا يُفْلِي الظَّالِمُونَ ٢٦ وَلَقَدْ
 هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَبْرُهَانَ رَبِّهِ كَذِيلَكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ط إِنَّهُ
 مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ٢٧ وَاسْتَبَقَ الْبَابَ وَقَدَّتْ قَيِّصَهُ مِنْ دُبْرِهِ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا
 لَدَّا الْبَابِ ط قَالَتْ مَا جَرَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابُ أَلِيمٌ ٢٨ قَالَ
 هِيَ رَأَوْدَتِنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدًا مِنْ أَهْلِهَا ط إِنْ كَانَ قَيِّصَهُ قُدَّ مِنْ قُبْلٍ فَصَدَّقَتْ وَ
 هُوَ مِنَ الْكُذِيبِينَ ٢٩ وَإِنْ كَانَ قَيِّصَهُ قُدَّ مِنْ دُبْرِهِ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّدِيقِينَ
 فَلَمَّا رَأَ قَيِّصَهُ قُدَّ مِنْ دُبْرِهِ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ط إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ٣٠ يُوسُفُ أَعْرِضْ
 عَنْ هَذَا سَيِّدَةٌ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنْبِكِ ط إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ٣١

دکوع ۳

مصر میں جس شخص نے اسے خریدا ¹⁶ اُس نے اپنی بیوی ¹⁷ سے کہا ”اس کو اچھی طرح رکھنا، بعد نہیں کہ یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے بیٹھانا لیں۔ ¹⁸“ اس طرح ہم نے یوسف کے لیے اُس سر زمین میں قدم جمانے کی صورت نکالی اور اُسے معاملہ فہمی کی تعلیم دینے کا انتظام کیا۔ ¹⁹ اللہ اپنا کام کر کے رہتا ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچاتا تو ہم نے اُسے قوتِ فیصلہ اور علم عطا کیا، ²⁰ اس طرح ہم نیک لوگوں کو جزا دیتے ہیں۔

جس عورت کے گھر میں وہ تھا وہ اُس پر ڈورے ڈالنے لگی اور ایک روز دروازے بند کر کے بولی ”آجا۔“ یوسف نے کہا ”خدا کی پناہ، میرے رب نے تو مجھے اچھی منزلت بخشی ²¹ اور میں یہ کام کروں! ²² ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔ ²³ وہ اُس کی طرف بڑھی اور یوسف بھی اُس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی بُرہان نہ دیکھ لیتا۔ ²⁴ ایسا ہوا، تاکہ ہم اُس سے بدی اور بے حیائی کو ڈور کر دیں، ²⁵ در حقیقت وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔ آخر کار یوسف اور وہ آگے پیچھے دروازے کی طرف بھاگے اور اُس نے پیچھے سے یوسف کا قمیص ²⁶ کھینچ کر ²⁷ پھاڑ دیا۔ دروازے پر دونوں نے اُس کے شوہر کو موجود پایا۔ اسے دیکھتے ہی عورت کہنے لگی ”کیا سزا اُس شخص کی جو تیری گھروالی پر نیت خراب کرے؟ اس کے سوا اور کیا سزا ہو سکتی ہے کہ وہ قید کیا جائے یا اسے سخت عذاب دیا جائے؟“ یوسف ²⁸ نے کہا ”یہی مجھے پھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔“ اس عورت کے اپنے کنبہ والوں میں سے ایک شخص نے ²⁹ قرینے کی ³⁰ شہادت پیش کی ³¹ کہ ”اگر یوسف کا قمیص آگے سے پھٹا ہو تو عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا، اور اگر اس کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہو تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچا۔ ³²“ جب شوہر نے دیکھا کہ یوسف کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو اس نے کہا ”یہ تم

عورتوں کی چالاکیاں ہیں، واقعی بڑے غصب کی ہوتی ہیں تمہاری چالیں۔ یوسف، اس معاملے سے درگزر کر، اور اے عورت، تو اپنے قصور کی معافی مانگ، تو ہی اصل میں خطاکار تھی۔” **25A** ۳۶

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 16 ▲

بائیبل میں اس شخص کا نام فو طیفار لکھا ہے۔ قرآن مجید آگے چل کر اسے ”عزیز“ کے لقب سے یاد کرتا ہے، اور پھر ایک دوسرے موقع پر یہی لقب حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے بھی استعمال کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص مصر میں کوئی بہت بڑا عہدہ دار یا صاحب منصب تھا، کیونکہ ”عزیز“ کے معنی ایسے باقتدار شخص کے ہیں جس کی مزاحمت نہ کہ جاسکتی ہو۔ بائیبل اور تلمود کا بیان ہے کہ وہ شاہی جلوداروں (بادی گارڈ) کا افسر تھا، اور ابن جریر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ شاہی خزانے کا افسر تھا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 17 ▲

تلمود میں اس عورت کا نام زلیخا (Zeliha) لکھا ہے اور یہیں سے یہ نام مسلمانوں کی روایات میں مشہور ہوا۔ مگر یہ جو ہمارے ہاں عام شہرت ہے کہ بعد میں اس عورت سے حضرت یوسف علیہ السلام کا نکاح ہوا، اس کی کوئی اصل نہیں ہے، نہ قرآن میں اور نہ اسرائیلی تاریخ میں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک نبی کے مرتبے سے یہ بات بہت فروتنر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جس کی بد چلنی کا اس کو ذاتی تجربہ ہو چکا ہو۔ قرآن مجید میں یہ قاعدہ کلیہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ **الْخَيِّثُ لِلْخَيِّثِينَ وَ الْخَيِّثُونَ لِلْخَيِّثِتِ وَ الظَّبِيبُ لِلظَّبِيبِينَ وَ الظَّبِيبُونَ لِلظَّبِيبِتِ**۔ بری عورتیں برے مردوں کے لیے ہیں اور برے مرد بری عورتوں کے لیے۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 18 ▲

تلمود کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر ۱۸ سال تھی اور فو طیفار ان کی شاندار شخصیت کو دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ لڑکا غلام نہیں ہے بلکہ کسی بڑے شریف خاندان کا چشم و چراغ ہے جسے حالات کی گردش یہاں کھینچ لائی ہے۔ چنانچہ جب وہ انہیں خرید رہا تھا اسی وقت اس نے سوداگروں سے کہہ دیا تھا کہ یہ غلام نہیں معلوم ہوتا، مجھے شبہ ہوتا ہے کہ شاید تم اسے کہیں سے چرا لائے ہو۔ اسی بنا پر فو طیفار نے ان سے غلاموں کا سابر تاؤ نہیں کیا بلکہ انہیں اپنے گھر اور اپنی کل املاک کا مختار بنادیا۔ باقیبل کا بیان ہے کہ ”اس نے اپنا سب کچھ یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور سواروٹی کے جسے وہ کھالیتا تھا اسے اپنی کسی چیز کا ہوش نہ تھا“۔ (پیدائلش ۳۹-۶)

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 19 ▲

حضرت یوسف علیہ السلام کی تربیت اس وقت تک صحرائیں نیم خانہ بد و شی اور گلہ بانی کے ماحول میں ہوئی تھی۔ کنعان اور شمالی عرب کے علاقے میں اس وقت نہ کوئی منظم ریاست تھی اور نہ تمدن و تہذیب نے کوئی بڑی ترقی کی تھی۔ کچھ آزاد قبائل تھے جو وقار فتاہجرت کرتے رہتے تھے، اور بعض قبائل نے مختلف علاقوں میں مستقل سکونت اختیار کر کے چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی بنائی تھیں۔ ان لوگوں کا حال مصر کے پہلو میں قریب قریب وہی تھا جو ہماری شمال مغربی سرحد پر آزاد علاقہ کے پڑھان قبائل کا ہے۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو جو تعلیم و تربیت ملی تھی اس میں بد ویانہ زندگی کے محاسن اور خانوادہ ابراہیمی کی خدا پرستی و دینداری کے عناصر تو ضرور شامل تھے، مگر اللہ تعالیٰ اس وقت کے سب سے زیادہ متمدن اور ترقی یافتہ ملک، یعنی مصر میں ان سے جو کام لینا چاہتا تھا، اور اس لے لیے جس واقعیت، جس تجربے اور جس بصیرت کی ضرورت تھی، اس کے نشوونما کا کوئی موقع بد وی زندگی میں نہ تھا۔ اس لے لیے اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ انتظام فرمایا کہ انہیں سلطنت مصر کے ایک بڑے عہدہ دار کے ہاں پہنچا دیا اور اس نے ان کی

غیر معمولی صلاحیتوں کو دیکھ کر انہیں اپنے گھر اور اپنی جا گیر کا مختار کل بنادیا۔ اس طرح یہ موقع پیدا ہو گا کہ ان کی وہ تمام قابلیتیں پوری طرح نشوونما پاسکیں جواب تک بروئے کار نہیں آئی تھیں اور انہیں ایک چھوٹی جا گیر کے انتظام سے وہ تجربہ حاصل ہو جائے جو آئندہ ایک بڑی سلطنت کا نظم و نسق چلانے کے لیے درکار تھا۔ اسی مضمون کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 20

قرآن کی زبان میں ان الفاظ سے مراد بالعموم ”نبوت عطا کرنا“ ہوتا ہے۔ ”حکم“ کے معنی قوت فیصلہ کے بھی ہیں اور اقتدار کے بھی۔ پس اللہ کی طرف سے کسی بندے کو حکم عطا کیے جانے کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے انسانی زندگی کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی اہلیت بھی عطا کی اور اختیارات بھی تفویض فرمائے۔ رہا ”علم“ تو اس سے مراد وہ خاص علم حقیقت ہے جو انہیاء کو وحی کے ذریعہ سے براہ راست دیا جاتا ہے۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 21

عام طور پر مفسرین اور مترجمین نے یہ سمجھا ہے کہ یہاں ”میرے رب“ کا لفظ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس شخص کے لیے استعمال کیا ہے جس کی ملازمت میں وہ اس وقت تھے اور ان کے اس جواب کا مطلب یہ تھا کہ میرے آقا نے تو مجھے ایسی اچھی طرح رکھا ہے، پھر میں یہ نمک حرامی کیسے کر سکتا ہوں کہ اس کی بیوی سے زنا کروں۔ لیکن مجھے اس ترجمہ و تفسیر سے سخت اختلاف ہے۔ اگرچہ عربی زبان کے اعتبار سے یہ مفہوم لینے کی بھی گنجائش ہے، کیونکہ عربی میں لفظ رب ”آقا“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، لیکن یہ بات ایک نبی کی شان سے بہت گری ہوئی ہے کہ وہ ایک گناہ سے باز رہنے میں اللہ تعالیٰ کے بجائے کسی بندے کا لحاظ کرے۔ اور قرآن میں اس کی کوئی نظریہ بھی موجود نہیں ہے کہ کسی نبی نے خدا کے سوا کسی اور کو اپنارب کہا۔ آگے چل کر آیات ۵۰، ۳۲، ۳۱ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سیدنا یوسف علیہ السلام اپنے اور

مصریوں کے مسلک کا یہ فرق بار بار واضح فرماتے ہیں کہ ان کا رب تو اللہ ہے اور مصریوں نے بندوں کو اپنا رب بنار کھا ہے۔ پھر جب آیت کے الفاظ میں یہ مطلب لینے کی بھی گنجائش موجود ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ربی کہہ کر اللہ کی ذات مرادی ہو، تو کیا وجہ ہے کہ ہم ایک ایسے معنی کو اختیار کریں جس میں صریح اقابت کا پہلو نکلتا ہے۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 22

برہان کے معنی ہیں دلیل اور جدت کے۔ رب کی برہان سے مراد خدا کی سمجھائی ہوئی دلیل ہے جس کی بنا پر حضرت یوسف علیہ السلام کی ضمیر نے ان کے نفس کو اس بات کا قائل کیا کہ اس عورت کی دعوت عیش قبول کرنا تھے زیبا نہیں ہے۔ اور وہ دلیل تھی کیا؟ اسے پچھلے فقرے میں بیان کیا جا چکا ہے، یعنی یہ کہ ”میرے رب نے تو مجھے یہ منزلت بخشی اور میں ایسا برآ کام کروں، ایسے ظالموں کو کبھی فلاح نصیب نہیں ہوا کرتی“۔ یہی وہ برہان حق تھی جس نے سیدنا یوسف علیہ السلام کو اس نو خیز جوانی کے عالم میں ایسے نازک موقع پر معصیت سے باز رکھا۔ پھر یہ جو فرمایا کہ ”یوسف علیہ السلام بھی اس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا“ تو اس سے عصمت انبیاء کی حقیقت پر بھی پوری روشنی پڑ جاتی ہے۔ نبی کی معصومیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس سے گناہ اور لغزش و خطاكی قوت واستعداد سلب کر لی گئی ہے حتیٰ کہ گناہ کا صدور اس کے امکان ہی میں نہیں رہا ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی اگرچہ گناہ کرنے پر قادر ہوتا ہے لیکن بشریت کی تمام صفات سے متصف ہونے کے باوجود، اور جملہ انسانی جذبات، احساسات اور خواہشات رکھتے ہوئے بھی وہ ایسا نیک نفس اور خدا تریس ہوتا ہے کہ جان بوجھ کر کبھی گناہ کا قصد نہیں کرتا۔ وہ اپنے ضمیر میں اپنے رب کی ایسی ایسی زبردست ججتیں اور دلیلیں رکھتا ہے جن کے مقابلہ میں خواہش نفس کبھی کامیاب نہیں ہونے پاتی۔ اور اگر نادانستہ اس سے کوئی لغزش سرزد ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فوراً وحی جلی کے

ذریعہ سے اس کی اصلاح فرمادیتا ہے، کیونکہ اس کی لغزش تنہا ایک شخص کی لغزش نہیں ہے، ایک پوری امت کی لغزش ہے۔ وہ راہ راست سے بال برابر ہٹ جائے تو دنیا مگر اسی میں میلیوں دور نکل جائے۔

سورہ یوسف حاشیہ نمبر: 23 ▲

اس ارشاد کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا دلیل رب کو دیکھنا اور گناہ سے نجی جانا ہماری توفیق و ہدایت سے ہوا کیونکہ ہم اپنے اس منتخب بندے سے بدی اور بے حیائی کو دور کرنا چاہتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ بھی لیا جاسکتا ہے، اور یہ زیادہ گھر امطلب ہے کہ یوسف علیہ السلام کو یہ معاملہ جو پیش آیا تو یہ بھی دراصل ان کی تربیت کے سلسلہ میں ایک ضروری مرحلہ تھا۔ ان کو بدی اور بے حیائی سے پاک کرنے اور ان کی طہارت نفس کو درجہ کمال پر پہنچانے کے لیے مصلحت الٰہی میں یہ ناگزیر تھا کہ ان کے سامنے معصیت کا ایک ایسا نازک موقع پیش آئے اور اس آزمائش کے وقت وہ اپنے ارادے کی پوری طاقت پر ہیز گاری و تقویٰ کے پلڑے میں ڈال کر اپنے نفس کے برے میلانات کو ہمیشہ کے لیے قطعی طور پر شکست دے دیں۔ خصوصیت کے ساتھ اس مخصوص طریقہ تربیت کے اختیار کرنے کی مصلحت اور اہمیت اس اخلاقی ماحول کو نگاہ میں رکھنے سے بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے جو اس وقت کی مصری سوسائٹی میں پایا جاتا تھا۔ آگے رکوع ۳ میں اس ماحول کی جو ایک ذرا سی جھلک دکھائی گئی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کے ”مہذب مصر“ میں بالعموم اور اس کے اوپرے طبقے میں بالخصوص صنفی آزادی قریب قریب اسی پیمانے پر تھی جس پر ہم اپنے زمانے کے اہل مغرب اور مغرب زدہ طبقوں کو ”فاتح“ پار ہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ایسے بگڑے ہوئے لوگوں میں رہ کر کام کرنا تھا، اور کام بھی ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے نہیں بلکہ فرمازوائے ملک کی حیثیت سے کرنا تھا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جو خواتین کرام ایک حسین غلام کے آگے بچھی جا رہی تھیں، وہ ایک جوان اور خوبصورت فرمازواؤ کو پھانسے اور بگاڑنے کے لیے

کیانہ کر گزرتیں۔ اسی کی پیش بندی اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمائی کہ ایک طرف تو ابتدا ہی میں اس آزمائش سے گزار کر حضرت یوسف علیہ السلام کو پختہ کر دیا، اور دوسری طرف خود خواتین مصر کو بھی ان سے مایوس کر کے ان کے سارے فتنوں کا دروازہ بند کر دیا۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 24

اس معاملہ کی نوعیت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ صاحب خانہ کے ساتھ خود اس عورت کے بھائی بندوں میں سے بھی کوئی شخص آرہا ہو گا اور اس نے یہ قضیہ سن کر کہا ہو گا کہ جب یہ دونوں ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہیں اور موقع کا گواہ کوئی نہیں ہے تو قرینہ کی شہادت سے اس معاملہ کی یوں تحقیق کی جاسکتی ہے بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ شہادت پیش کرنے والا ایک شیر خوار بچہ تھا جو وہاں پنگھوڑے میں لیٹا ہوا تھا اور خدا نے اسے گویاً عطا کر کے اس سے یہ شہادت دلوائی۔ لیکن یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور نہ اس معاہلے میں خواہ مخواہ مجزے سے مدد لینے کی کوئی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے۔ اس شاہد نے قرینے کی جس شہادت کی طرف توجہ دلائی ہے وہ سراسرا ایک معقول شہادت ہے اور اس کو دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ایک معاملہ فہم اور جہاندیدہ آدمی تھا جو صورت معاملہ سامنے آتے ہی اس کی تہہ کو پہنچ گیا۔ بعید نہیں کہ وہ کوئی نجی یا مجسٹریٹ ہو۔ (مفسرین کے ہاں شیر خوار بچے کی شہادت کا قصہ دراصل یہودی روایات سے آیا ہے۔ ملاحظہ ہو اقتباسات تلمود از پال اسحاق ہرشون، لندن، سن

۲۵۶۔ صفحہ ۱۸۸۰

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 25

مطلوب یہ ہے کہ اگر یوسف علیہ السلام کا قمیص سامنے سے پھٹا ہو تو یہ اس بات کی صریح علامت ہے کہ اقدام یوسف علیہ السلام کی جانب سے تھا اور عورت اپنے آپ کو بچانے کے لیے کش کر رہی تھی۔ لیکن اگر یوسف علیہ السلام کا قمیص پچھے سے پھٹا ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عورت اس کے

پیچھے پڑی ہوئی تھی اور یوسف علیہ السلام اس سے بچ کر نکل جانا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ قرینے کی ایک اور شہادت بھی اس شہادت میں چھپی ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ اس شاہد نے توجہ صرف یوسف علیہ السلام کے قمیص کی طرف دلائی۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ عورت کے جسم یا اس کے لباس پر تشدد کی کوئی علامت سرے سے پائی ہی نہ جاتی تھی، حالانکہ اگر یہ مقدمہ اقدام زنا بالجبر کا ہوتا تو عورت پر اس کے کھلے آثار پائے جاتے۔

▲ 25A: سورۃ یوسف حاشیہ نمبر:

بانسل میں اس قصے کو جس بھونڈے طریقہ سے بیان کیا گیا ہے، وہ ملاحظہ ہو:

”تب اس عورت نے اس کا پیرا ہن پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ ہم بستر ہو، وہ اپنا پیرا ہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنا پیرا ہن اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگ گیا تو اس نے اپنے گھر کے آدمیوں کو بلا کران سے کہا کہ دیکھو وہ ایک عبری کو ہم سے مذاق کرنے کے لیے ہمارے پاس لے آیا ہے۔ یہ مجھ سے ہم بستر ہونے کو اندر رکھس آیا اور میں بلند آواز سے چلانے لگی۔ جب اس نے دیکھا کہ میں زور زور سے چلا رہی ہوں تو اپنا پیرا ہن میرے پاس چھوڑ کر بھاگا اور باہر نکل گیا۔ اور وہ اس کا پیرا ہن اس کے آقا کے گھر لوٹنے تک اپنے پاس رکھ رہی۔۔۔۔۔ جب اس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اس نے اس سے کہیں سن لیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا تو اس کا غضب بھڑکا اور یوسف کے آقا نے اس کو لے کر قید خانے میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے ڈال دیا۔ (پیدائش 39: 12-20)

خلاصہ اس عجیب و غریب روایت کا یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جسم پر لباس کچھ اس قسم کا تھا کہ ادھر زیخانے اس پر ہاتھ ڈالا اور ادھرو وہ پورا لباس خود بخود اتر کر اس کے ہاتھ میں آگیا! پھر لطف یہ ہے

کہ حضرت یوسف علیہ السلام وہ لباس اس کے پاس چھوڑ کر یوں نبی برہنہ بھاگ نکلے اور ان کا لباس (یعنی ان کے قصور کا ناقابل انکار ثبوت) اس عورت کے پاس ہی رہ گیا۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے مجرم ہونے میں آخر کون شک کر سکتا تھا۔

یہ تو ہے باطل کی روایت۔ رہی تلمود تو اس کا بیان ہے کہ فوطیفار نے جب اپنی بیوی سے یہ شکایت سنی تو اس نے یوسف علیہ السلام کو خوب پٹوایا، پھر ان کے خلاف عدالت میں استغاثہ دائر کیا اور حکام عدالت نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کا جائزہ لے کر فیصلہ کیا کہ قصور عورت کا ہے، کیونکہ قمیص پچھے سے پھٹا ہے نہ کہ آگے سے۔ لیکن یہ بات ہر صاحب عقل آدمی تھوڑے سے غور و تأمل سے آسانی سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کی روایت تلمود کی روایت سے زیادہ قرین قیاس ہے۔ آخر کس طرح یہ باور کر لیا جائے کہ ایسا بڑا ایک ذی وجہت آدمی اپنی بیوی پر اپنے غلام کی دست درازی کا معاملہ خود عدالت میں لے گیا ہو گا۔

یہ ایک نمایاں ترین مثال ہے قرآن اور اسرائیلی روایات کے فرق کی جس سے مغربی مستشرقین کے اس الزام کی لغویت صاف واضح ہو جاتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصے بنی اسرائیل سے نقل کر لیے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ قرآن نے تو ان کی اصلاح کی اور اصل واقعات دنیا کو بتائے ہیں۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ أُمْرَاتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًا طَيْلًا
 لَنَزَّلَهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً
 وَأَتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَاتَتْ أُخْرُجَةٍ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَ
 قَطَّعْنَ أَيْدِيهِنَّ وَقُلْنَ حَاسِلَةً مَا هَذَا بَشَرًا طَيْلًا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣﴾ قَاتَتْ فَذِكْرُنَّ
 الَّذِي لَمْ تُنَتَّنِي فِيهِ وَلَقَدْ رَأَوْدَتْهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ طَيْلًا وَلَمْ يَفْعَلْ مَا آمِرَهُ
 لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونَنَّ مِنَ الصُّغَرِينَ ﴿٤﴾ قَالَ رَبُّ السِّجْنِ أَحَبُّ إِلَيَّ هَمَّا يَدْعُونِي إِلَيْهِ طَيْلًا
 تَصْرِفُ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِّنَ الْجُهَلِينَ ﴿٥﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ
 عَنْهُ كَيْدَهُنَّ طَيْلًا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦﴾ ثُمَّ بَدَأَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا الْأُيُتِ لَيُسْجُنُنَّهُ

حَتَّىٰ جِينٌ ﴿٧﴾

دکو٤ ۲

شہر کی عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ ”عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کے پیچھے پڑی ہوئی ہے، مجبت نے اسے بے قابو کر رکھا ہے، ہمارے نزدیک تو وہ صریح غلطی کر رہی ہے۔“ اس نے جوان کی یہ مکارانہ باتیں سُننیں تو ان کو بلاوا بھیج دیا اور ان کے لیے تکمیلہ دار مجلس آراستہ کی ²⁶ اور ضیافت میں ہر ایک کے آگے ایک ایک چھٹری رکھ دی۔ پھر عین اُس وقت جب کہ وہ پھل کاٹ کاٹ کر رکھا رہی تھیں ²⁷ اس نے یوسف کو اشارہ کیا کہ ان کے سامنے نکل آ۔ جب ان عورتوں کی نگاہ اُس پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور بے ساختہ پکارا تھیں ”حاشاللہ، یہ شخص انسان نہیں ہے، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔“ عزیز کی بیوی نے کہا ”دیکھ لیا! یہ ہے وہ شخص جس کے معاملہ میں تم مجھ پر باتیں بناتی تھیں۔ بے شک میں نے اسے رجھانے کی کوشش کی تھی مگر یہ نجک نکلا۔ اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو قید کیا جائے گا اور بہت ذلیل و خوار ہو گا۔ ²⁸ یوسف نے کہا ”اے میرے رب! قید مجھے منظور ہے بہ نسبت اس کے کہ میں وہ کام کروں جو یہ لوگ مجھ سے چاہتے ہیں۔ اور اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤں گا اور جاہلوں میں شامل ہو رہوں ²⁹ گا۔“ اس کے رب نے اس کی دعا قبول کی اور ان عورتوں کی چالیں اس سے دفع کر دیں، ³⁰ بے شک وہی ہے جو سب کی سُنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔

پھر ان لوگوں کو یہ سوچھی کہ ایک مُدت کے لیے اسے قید کر دیں حالانکہ وہ ³¹ اس کی پاک دامتی اور خود اپنی عورتوں کے بُرے اطوار کی ³² صریح نشانیاں دیکھ چکے تھے۔ ³³

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 26 ▲

یعنی ایسی مجلس جس میں مہمانوں کے لیے تنکیے لگے ہوئے تھے۔ مصر کے آثار قدیمہ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان کی مجلسوں میں تنکیوں کا استعمال بہت ہوتا تھا۔

بانکل میں اس ضیافت کا کوئی ذکر نہیں ہے البتہ تلمود میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے، مگر وہ قرآن سے بہت مختلف ہے۔ قرآن کے بیان میں جوزندگی، جوروج، جو فطریت اور جو اخلاقیت پائی جاتی ہے اس سے تلمود کا بیان بالکل خالی ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 27 ▲

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت مصر کے اونچے طبقوں کی اخلاقی حالت کیا تھی۔ ظاہر ہے کہ عزیز کی بیوی نے جن عورتوں کو بلا یا ہو گا وہ امراء و رؤساؤں اور بڑے عہدہ داروں کے گھر کی بیگمات ہی ہوں گی۔ ان عالی مرتبہ خواتین کے سامنے وہ اپنے محبوب نوجوان کو پیش کرتی ہے اور اس کی خوبصورت جوانی دکھا کر انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ ایسے جوان رعناء پر میں مرنہ ملتی تو آخر اور کیا کرتی۔ پھر یہ بڑے گھروں کی بہو بیٹیاں خود بھی اپنے عمل سے گویا اس امر کی تصدیق فرماتی ہیں کہ واقعی ان میں سے ہر ایک ایسے حالات میں وہی کچھ کرتی جو بیگم عزیز نے کیا۔ پھر شریف خواتین کی اس بھری مجلس میں معزز میزبان کو علانیہ اپنے اس عزم کا اظہار کرتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ اگر اس کا خوبصورت غلام اس کی خواہش نفس کا کھلونا بننے پر راضی نہ ہو تو وہ اسے جبل بھجوادے گی۔ یہ سب کچھ اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ یورپ اور امریکہ اور ان کے مشرقی مقلدین آج عورتوں کی جس آزادی و بے باکی کو بیسویں صدی کی ترقیات کر شمہ سمجھ رہے ہیں وہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، بہت پرانی چیز ہے۔ دقیانوں سے سیکڑوں برس پہلے مصر میں یہ اسی شان کے ساتھ پائی جاتی تھی جیسی آج اس ”روشن زمانے“ میں پائی جا رہی ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 28 ▲

یہ آیات ہمارے سامنے ان حالات کا ایک عجیب نقشہ پیش کرتی ہیں جن میں اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بتلا تھے۔ انیس بیس سال کا ایک خوبصورت نوجوان ہے جو بدویانہ زندگی سے بہترین تندرستی اور بھری جوانی لیے ہوئے آیا ہے۔ غربی، جلاوطنی اور جبری غلامی کے مراحل سے گزرنے کے بعد قسمت اسے دنیا کی سب سے بڑی متمند سلطنت کے پایہ تخت میں ایک بڑے رئیس کے ہاں لے آئی ہے۔ یہاں پہلے تو خود اس گھر کی بیگم یہ اس کے پیچے پڑ جاتی ہے جس سے اس کا شب و روز کا سابقہ ہے۔ پھر اس کے حسن کا چرچا سارے دارالسلطنت میں پھیلتا ہے اور شہر بھر کے امیر گھرانوں کی عورتیں اس پر فریفہ ہو جاتی ہیں۔ اب ایک طرف وہ ہے اور دوسری طرف سیکڑوں خوبصورت جال ہیں جو ہر وقت ہر جگہ اسے پھانسنا کے لیے پہلے ہوئے ہیں۔ ہر طرح کی تدبیریں اس کے جذبات کو بھٹکانے اور اس کے زہد کو توڑنے کے لیے کی جائی ہیں۔ جدھر جاتا ہے یہی دیکھتا ہے کہ گناہ اپنی ساری خوشنما بیوں اور دلفری بیوں کے ساتھ دروازے کھولے اس کا منتظر کھڑا ہے۔ کوئی تو فجور کے موقع خود ڈھونڈھتا ہے، مگر یہاں خود موقع اس کو ڈھونڈ رہے ہیں اور اس تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ جس وقت بھی اس کے دل میں برائی کی طرف ادنی میلان پیدا ہو وہ فوراً اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کر دیں۔ رات دن کے چوبیس گھنٹے وہ اس خطرے میں بس رکر رہا ہے کہ کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے ارادے کی بندش میں کچھ ڈھیل آجائے تو وہ گناہ کے ان بے شمار دروازوں میں سے کسی میں داخل ہو سکتا ہے جو اس کے انتظار میں کھلے ہوئے ہیں۔ اس حالت میں یہ خدا پرست نوجوان جس کا میاں کے ساتھ ان شیطانی ترغیبات کا مقابلہ کرتا ہے وہ بجائے خود کچھ کم قابل تعریف نہیں ہے۔ مگر ضبط نفس کے اس حیرت انگیز کمال پر عرفان نفس اور طہارت فلکر کا مزید کمال یہ ہے کہ اس پر بھی اس کے دل میں کبھی یہ متنکر انہ خیال نہیں آتا کہ واہرے میں، کیسی مضبوط ہے میری

سیرت کہ ایسی ایسی حسین اور جوان عورتیں میری گرویدہ ہیں اور پھر بھی میرے قدم نہیں پھسلتے۔ اس کے بجائے وہ اپنی بشری کمزوریوں کا خیال کر کے کانپ اٹھتا ہے اور نہایت عاجزی کے ساتھ خدا سے مدد کی لتجاء کرتا ہے کہ اے رب، میں ایک کمزور انسان ہوں، میرا اتنا بل بوتا کہاں کہ ان بے پناہ ترغیبات کا مقابلہ کر سکوں، تو مجھے سہارا دے اور مجھے بچا، ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے قدم پھسل نہ جائیں۔ درحقیقت یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اخلاقی تربیت کا اہم ترین اور نازک ترین مرحلہ تھا۔ دیانت، امانت، عفت، حق شناسی، راست روی، انضباط، اور توازن ذہنی کی غیر معمولی صفات جواب تک ان کے اندر پھی ہوئی تھیں اور جن سے وہ خود بھی بے خبر تھے، وہ سب کی سب اس شدید آزمائش کے دور میں ابھر آئیں، پورے زور کے ساتھ کام کرنے لگیں اور انہیں خود بھی معلوم ہو گیا کہ ان کے اندر کون کون سی قوتیں موجود ہیں اور وہ ان سے کیا کام لے سکتے ہیں۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 29

دفع کرنا اس معنی میں ہے کہ یوسف علیہ السلام کی سیرت صالحہ کو ایسی مضبوط بخشش دی گئی جس کے مقابلہ میں ان عورتوں کی ساری تدبیریں ناکام ہو کر رہ گئیں۔ نیز اس معنی میں بھی ہے کہ مشیت الہی نے جیل کا دروازہ ان کے لیے کھلوادیا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 30

اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا قید میں ڈالا جانا در حقیقت ان کی اخلاقی فتح اور مصر کے پورے طبقہ امراء و حکام کی اخلاقی شکست کا اتمام و اعلان تھا۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کوئی غیر معروف اور گمنام آدمی نہ رہے تھے۔ سارے ملک میں، اور کم از کم دارالسلطنت میں تو عام و خاص سب ان سے واقف ہو چکے تھے۔ جس شخص کی دلفریب شخصیت پر ایک دو نہیں، اکثر و بیشتر بڑے گھرانوں کی خواتین فریفہتے ہوں، اور جس کے فتنہ روز گار حسن سے اپنے گھر بگڑتے دیکھ کر مصر کے حکام نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی ہو

کہ اسے قید کر دیں، ظاہر ہے کہ ایسا شخص چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ یقیناً گھر گھر اس کا چرچا پھیل گیا ہو گا۔ عام طور پر لوگ اس بات سے بھی واقف ہو گئے ہوں گے کہ یہ شخص کیسے بلند اور مضبوط اور پاکیزہ اخلاق کا انسان ہے، اور یہ بھی جان گئے ہوں گے کہ اس شخص کو جیل اپنے کسی جرم پر نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ اس لیے بھیجا گیا ہے کہ مصر کے امراء اپنی عورتوں کو قابو میں رکھنے کے بجائے اس بے گناہ کو جیل بھیج دینا زیادہ آسان پاتے تھے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو شرائط انصاف کے مطابق عدالت میں مجرم ثابت کیے بغیر، بس یونہی پکڑ کر جیل بھیج دینا، بے ایمان حکمرانوں کی پرانی سنت ہے۔ اس معاملہ میں بھی آج کے شیاطین چار ہزار برس پہلے کے اشرار سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ فرق اگر ہے تو بس یہ کہ وہ ”جمهوریت“ کا نام نہیں لیتے تھے، اور یہ اپنے ان کرتوں کے ساتھ یہ نام بھی لیتے ہیں۔ وہ قانون کے بغیر اپنی غیر قانونی حرکتیں کیا کرتے تھے، اور یہ ہر نارواز یادتی کے لیے پہلے ایک ”قانون“ بنالیتے ہیں۔ وہ صاف صاف اپنی اغراض کے لیے لوگوں پر دست درازی کرتے تھے اور یہ جس پر ہاتھ ڈالتے ہیں اس کے متعلق دنیا کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس نے ان کو نہیں بلکہ ملک اور قوم کو خطرہ تھا۔ غرض وہ صرف ظالم تھے۔ یہ اس کے ساتھ جھوٹے اور بے حیا بھی ہیں۔

وَدَخَلَ مَعْهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَيْنِي أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ وَقَالَ الْأُخْرَىٰ إِنِّي أَرَيْنِي
 أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَسْعَنَا بِتَأْوِيلِهِ ۖ إِنَّا نَرِيكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ
 قَالَ لَا يَأْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقُنِيهِ إِلَّا نَبَأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيْكُمَا ۖ ذِكْرٌ
 مِمَّا عَلِمْنَا رَبِّيْ ۖ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ هُمْ بِالْآخِرَةِ هُمُ الْكَفَرُونَ ۚ وَ
 اتَّبَعْتُ مِلَّةَ أَبَاءِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ ذَلِكَ
 مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۚ يَصَاحِبِي
 السِّجْنَ عَارِبَاتٍ مُتَفَرِّقَاتٍ خَيْرٌ أَمِ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۖ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِهِ إِلَّا
 أَسْمَاءَ سَمَيَّتُمُوهَا أَنْتُمْ وَ أَبَاؤُكُمْ مَا آنَزَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَنٍ ۖ إِنَّ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ أَمَّا
 تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۖ ذَلِكَ الَّذِينَ الْقَيْمُ وَ لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۚ يَصَاحِبِي
 السِّجْنَ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ۖ وَ أَمَّا الْأُخْرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ
 قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيْنِ ۖ وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ
 فَأَنْسَهُ الشَّيْطَنُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَمِّا ثَ فِي السِّجْنِ بِضُعَ سِنِيْنَ ۖ

دکو٤ ۵

قید خانہ میں **31** دو غلام اور بھی اس کے ساتھ داخل ہوئے۔ **32** ایک روز ان میں سے ایک نے اُس سے کہا ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب کشید کر رہا ہوں۔“ دوسرا نے کہا ”میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹیاں رکھی ہیں اور پرندے ان کو کھار ہے ہیں۔“ دونوں نے کہا ”میں اس کی تعبیر بتائیں، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک نیک آدمی ہیں۔“ **33** یوسف نے کہا:

”یہاں جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتاؤں گا۔ یہ علم ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کیے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کا طریقہ چھوڑ کر جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، اپنے بزرگوں، ابراہیم، احْمَّاد، اسحاق اور یعقوب کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ درحقیقت یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور تمام انسانوں پر **34** کہ اس نے اپنے سوا کسی کا بندہ ہمیں نہیں بنایا ہے مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اے زندگی کے ساتھیو، تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اُس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آبا اجداد نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ فرمائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سواتم کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ٹھیک ہے سیدھا طریق زندگی ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ اے زندگی کے ساتھیو، تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں سے ایک تو اپنے رب **35** شاہِ مصر کو شراب پلانے گا، رہا دوسرا تو اسے سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ فیصلہ ہو گیا اُس بات کا جو تم پوچھ رہے تھے۔“ **36**

پھر ان میں سے جس کے متعلق خیال تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسف نے کہا کہ ”اپنے رب شاہ مصر سے میرا ذکر کرنا۔“ مگر شیطان نے اسے ایسا غفلت میں ڈالا کہ وہ اپنے رب شاہ مصر سے اس کا ذکر کرنا بھول گیا اور یوسف کئی سال قید خانے میں پڑا رہا۔³⁵

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 31 ▲

غالباً اس وقت جب کہ حضرت یوسف علیہ السلام قید کیے گئے ان کی عمر بیس اکیس سال سے زیادہ نہ ہو گی۔ تلمود میں بیان کیا گیا ہے کہ قید خانے سے چھوٹ کر جب وہ مصر کے فرمانرواء ہوئے تو ان کی عمر تیس سال تھی، اور قرآن کہتا ہے کہ قید خانے میں وہ بعض سنین یعنی کئی سال رہے۔ بعض کا اطلاق عربی زبان میں دس تک کے عدد کے لیے ہوتا ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 32 ▲

یہ دو غلام جو قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ داخل ہوئے تھے ان کے متعلق بائبل کی روایت ہے کہ ان میں سے ایک شاہ مصر کے ساقیوں کا سردار تھا اور دوسرا شاہی نان بائیوں کا افسر۔ تلمود کا بیان ہے کہ ان دونوں کو شاہ مصر نے اس قصور پر جیل بھیجا تھا کہ ایک دعوت کے موقع پر روٹیوں میں کچھ کر کر اہٹ پائی گئی تھی اور شراب کے ایک گلاس میں مکھی نکل آئی تھی!

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 33 ▲

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قید خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کس نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اوپر جن واقعات کا ذکر گزر چکا ہے ان کو پیش نظر رکھنے سے یہ بات قابل تعجب نہیں رہتی کہ ان دو قیدیوں نے آخر حضرت یوسف علیہ السلام ہی سے آکر اپنے خواب کی تعبیر کیوں پوچھی اور ان کی خدمت میں یہ نذر عقیدت کیوں پیش کرے **إِنَّا نَرَكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ**۔ جیل کے اندر اور باہر سب لوگ جانتے

تھے کہ یہ شخص کوئی مجرم نہیں ہے بلکہ ایک نہایت نیک نفس آدمی ہے، سخت ترین آزمائشوں میں اپنی پر ہیز گاری کا ثبوت دے چکا ہے، آج پورے ملک میں اس سے زیادہ نیک انسان کوئی نہیں ہے، حتیٰ کہ ملک کے مذہبی پیشواؤں میں بھی اس کی نظیر مفقود ہے۔ یہی وجہ تھی کہ نہ صرف قیدی ان کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ قید خانے کے حکام اور اہلکار تک ان کے معتقد ہو گئے تھے۔ چنانچہ بائیبل میں ہے کہ ”قید خانے کی داروغہ نے سب قیدیوں کو جو قید میں تھے یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں سونپا اور جو کچھ وہ کرتے اسی حکم سے کرتے تھے، اور قید خانے کا داروغہ سب کاموں کی طرف سے جو اس کے ہاتھ میں تھے بے فکر تھا۔“ (پیدائش، ۲۲: ۳۹)

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 34 ▲

یہ تقریر جو اس پورے قصے کی جان ہے اور خود قرآن میں بھی توحید کی بہترین تقریروں میں سے ہے، بائیبل اور تلمود میں کہیں اس کی طرف ادنیٰ اشارہ تک نہیں ہے۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو محض ایک دانشمند اور پر ہیز گار آدمی کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں۔ مگر قرآن صرف یہی نہیں کہ ان کی سیرت کے ان پہلوؤں کو بھی بائیبل اور تلمود کی بہ نسبت بہت زیادہ روشن کر کے پیش کرتا ہے، بلکہ اس کے علاوہ وہ ہم کو یہ بھی بتاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنا ایک پیغمبرانہ مشن رکھتے تھے اور اس کی دعوت و تبلیغ کا کام انہوں نے قید خانہ ہی میں شروع کر دیا تھا۔

یہ تقریر ایسی نہیں ہے کہ اس پر سے یو نہی سرسری طور پر گزر جائے۔ اس کے متعدد پہلو ایسے ہیں جن پر توجہ اور غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے:

(۱) یہ پہلا موقع ہے جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام ہم کو دین حق کی تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سے پہلے ان کی داستان حیات کے جوابات قرآن نے پیش کیے ہیں ان میں صرف اخلاق فاضلہ کی مختلف

خصوصیات مختلف مرحلوں پر ابھرتی رہی ہیں مگر تبلیغ کا کوئی نشان وہاں نہیں پایا جاتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے مراحل محض تیاری اور تربیت کے تھے۔ نبوت کا کام عملًا اس قید خانے کے مرحلے میں ان کے سپرد کیا گیا ہے اور نبی کی حیثیت سے یہ ان کی پہلی تقریر دعوت ہے۔

(۲) یہ بھی پہلا موقع ہے کہ انہوں نے لوگوں کے سامنے اپنی اصلیت ظاہر کی۔ اس سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نہایت صبر و شکر کے ساتھ ہر اس حالت کو قبول کرتے رہے جو ان کو پیش آئی۔ جب قافلے والوں نے ان کو پکڑ کر غلام بنایا، جب وہ مصر لائے گئے، جب انہیں عزیز مصر کے ہاتھ فروخت کیا گیا، جب انہیں جیل بھیجا گیا، ان میں سے کسی موقع پر بھی انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ میں ابراہیم و اسحاق علیہما السلام کا پوتا ہوں اور یعقوب علیہما السلام کا بیٹا ہوں۔ ان کے باپ دادا کوئی غیر معروف لوگ نہ تھے۔ قافلے والے خواہ اہل مدین ہوں یا اسماعیلی، دونوں ان کے خاندان سے قریبی تعلق رکھنے والے ہی تھے۔ اہل مصر بھی کم از کم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تو ناواقف نہ تھے۔ (بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام جس انداز سے ان کا اور حضرت یعقوب اور اسحاق علیہما السلام کا ذکر کر رہے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تینوں بزرگوں کی شہرت مصر میں پہنچی ہوئی تھی۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی باپ دادا کا نام لے کر اپنے آپ کو ان حالات سے نکالنے کی کوشش نہ کی کہ جن میں وہ پچھلے چار پانچ سال کے دوران میں مبتلا ہوتے رہے۔ غالباً وہ خود بھی اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ انہیں بنا ناچاہتا ہے اس کے لیے ان کا ان حالات سے گزرنا ہی ضروری ہے۔ مگر اب انہوں نے محض اپنی دعوت و تبلیغ کی خاطر اس حقیقت سے پر دہ اٹھایا کہ میں کوئی نیا اور نرالادین پیش نہیں کر رہا ہوں بلکہ میرا تعلق دعوت توحید کی اس عالمگیر تحریک سے ہے جس کے آئندہ ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام ہیں۔ ایسا کرنا اس لیے ضروری تھا کہ داعی حق کبھی اس دعوے کے ساتھ نہیں اٹھا کرتا کہ وہ ایک نئی بات پیش کر رہا ہے جو اس سے پہلے کسی کونہ سو جھی تھی،

بلکہ پہلے قدم ہی پر یہ بات کھوں دیتا ہے کہ میں اس ازلی وابدی حقیقت کی طرف بلارہا ہوں جو ہمیشہ سے تمام اہل حق پیش کرتے رہے ہیں۔

(۳) پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے جس طرح اپنی تبلیغ کے لیے موقع نکالا اس میں ہم کو حکمت تبلیغ کا ایک اہم سبق ملتا ہے۔ دو آدمی اپنا خواب بیان کرتے ہیں اور اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی تعبیر پوچھتے ہیں۔ جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ تعبیر تو میں تمہیں ضرور بتاؤں گا مگر پہلے یہ سن لو کہ اس علم کا مأخذ کیا ہے جس کی بنابر میں تمہیں تعبیر دیتا ہوں۔ اس طرح ان کی بات میں سے اپنی بات کہنے کا موقع نکال کر آپ ان کے سامنے اپنا دین پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ فی الواقع کسی شخص کے دل میں اگر تبلیغ حق کی دھن سمائی ہوئی ہو اور وہ حکمت بھی رکھتا ہو تو کیسی خوبصورتی کے ساتھ وہ گفتگو کا رخ اپنی دعوت کی طرف پھیر سکتا ہے۔ جسے دعوت کی دھن لگی ہوئی نہیں ہوتی اس کے سامنے تو موقع پر موقع آتے ہیں اور وہ کبھی محسوس نہیں کرتا کہ یہ موقع ہے اپنی بات کہنے کا۔ مگر وہ جسے دھن لگی ہوئی ہوتی ہے وہ موقع کی تاک میں لگا رہتا ہے اور اسے پاتے ہی اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ البته بہت فرق ہے حکیم کی موقع شناسی میں اور اس نادان مبلغ کی بھونڈی تبلیغ میں جو موقع و محل کا لحاظ کیے بغیر لوگوں کے کانوں میں زبردستی اپنی دعوت ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے اور پھر لچھڑپن اور جھگڑا لوپن سے انہیں الٹا متنفر کر کے چھوڑتا ہے۔

(۴) اس سے یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ لوگوں کے سامنے دعوت دین پیش کرنے کا صحیح ڈھنگ کیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام چھوٹتے ہی دین کے تفصیلی اصول اور ضوابط پیش کرنے شروع نہیں کر دیتے بلکہ ان کے سامنے دین کے اس نقطہ آغاز کو پیش کرتے ہیں جہاں سے اہل حق کا راستہ اہل باطل کے راستوں سے جدا ہوتا ہے، یعنی توحید اور شرک کا فرق۔ پھر اس فرق کو وہ ایسے معقول طریقے سے واضح

کرتے ہیں کہ عقل عام رکھنے والا کوئی شخص اسے محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خصوصیت کے ساتھ جو لوگ اس وقت ان کے مخاطب تھے ان کے دل و دماغ میں تو تیر کی طرح یہ بات اتر گئی ہو گی، کیونکہ وہ نوکر پیشہ غلام تھے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں اس بات کو خوب محسوس کر سکتے تھے کہ ایک آقا کا غلام ہونا بہتر ہے یا بہت سے آقاوں کا، اور سارے جہان کے آقا کی بندگی بہتر ہے یا بندوں کی بندگی۔ پھر وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ اپنا دین چھوڑو اور میرے دین میں آجاو، بلکہ ایک عجیب انداز میں ان سے کہتے ہیں کہ دیکھو، اللہ کا یہ کتنا بڑا فضل ہے کہ اس نے اپنے سوا ہم کو کسی کا بندہ نہیں بنایا مگر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے اور خواہ خود گھٹر گھٹر کر اپنے رب بناتے اور ان کی بندگی کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنے مخاطبوں کے دین پر تنقید بھی کرتے ہیں، مگر نہایت معقولیت کے ساتھ اور دل آزاری کے ہر شانے کے بغیر۔ بس اتنا کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ معبود جن میں سے کسی کو تم ان داتا، کسی کو خداوند نعمت، کسی کو مالک زمین اور کسی کو رب دولت یا مختار صحت و مرض وغیرہ کہتے ہو، یہ سب خالی خولی نام ہی ہیں، ان ناموں کے پیچھے کوئی حقیقتی ان داتائی و خداوندی اور مالکیت و ربو بیت موجود نہیں ہے۔ اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے جسے تم بھی کائنات کا خالق و رب تسلیم کرتے ہو، اور اس نے ان میں سے کسی کے لیے بھی خداوندی اور معبودیت کی کوئی سند نہیں اتاری ہے۔ اس نے تو فرمازدہ کے سارے حقوق اور اختیارات اپنے ہی لیے مخصوص رکھے ہیں اور اس کا حکم ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔

(۵) اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے کی زندگی کے یہ آٹھ دس سال کس طرح گزارے ہوں گے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں چونکہ ان کے ایک ہی وعظ کا ذکر ہے اس لیے انہوں نے صرف ایک ہی دفعہ دعوت دین کے لیے زبان کھولی تھی۔ مگر اول تو ایک پیغمبر کے متعلق یہ گمان کرنا ہی سخت بد گمانی ہے کہ وہ اپنے اصل کام سے غافل ہو گا۔ پھر جس شخص کی تبلیغی دھن کا

یہ حال تھا کہ دو آدمی تعبیر خواب پوچھتے ہیں اور وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دین کی تبلیغ شروع کر دیتا ہے اس کے متعلق یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس نے قید خانے کے یہ چند سال خاموش ہی گزار دیے ہوں گے۔

▲ سورہ یوسف حاشیہ نمبر: 35

اس مقام کی تفسیر بعض مفسرین نے یہ کی ہے کہ ”شیطان نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے رب (یعنی اللہ تعالیٰ) کی یاد سے غافل کر دیا اور انہوں نے ایک بندے سے چاہا کہ وہ اپنے رب (یعنی شاہ مصر) سے ان کا تذکرہ کر کے ان کی رہائی کی کوشش کرے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزادی کہ وہ کئی سال تک جیل میں پڑے رہے۔“ درحقیقت یہ تفسیر بالکل غلط ہے۔ صحیح یہی ہے، جیسا کہ علامہ ابن کثیر، اور متقد مین میں سے مجاہد اور محمد بن اسحاق وغیرہ نے کہا ہے کہ فَإِنْسَهُ الشَّيْطَنُ ذُكْرَ رَبِّهِ کی ضمیر اس شخص کی طرف پھرتی ہے جس کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کا گمان تھا کہ وہ رہائی پانے والا ہے، اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ”شیطان نے اسے اپنے آقا سے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا۔“ اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اگر یوسف علیہ السلام نے وہ بات نہ کہی ہوتی جوانہوں نے کہی تو وہ قید میں کئی سال نہ پڑے رہتے۔“ لیکن علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ”یہ حدیث جتنے طریقوں سے روایت کی گئی ہے وہ سب ضعیف ہیں۔ بعض طریقوں سے یہ مرفو عاروا یت کی گئی ہے اور ان میں سفیان بن وکیع اور ابراہیم بن یزید راوی ہیں جو دونوں ناقابل اعتماد ہیں۔ اور بعض طریقوں سے یہ مرسلا ت روایت ہوئی ہے اور ایسے معاملات میں مرسلا ت کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔“ علاوہ بریں روایت کے اعتبار سے بھی یہ بات باور کرنے کے قابل نہیں ہے کہ ایک مظلوم شخص کا اپنی رہائی کے لیے دنیوی تدبیر کرنا خدا سے غفلت اور توكل کے فقدان کی دلیل قرار دیا گیا ہو گا۔

وَقَالَ الْمُلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنْبُلٍتٍ خُضْرٍ وَأَخَرَ يِسْتٍ طَيَّاً يَأْكُلُهَا الْمَلَأُ أَفْتُوْنٍ فِي رُعْيَائِي إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءُوفِيَّا تَعْبُرُونَ ﴿٣١﴾ قَالُوا أَضْغَاثٌ أَحَلَامٌ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحَلَامِ بِعُلِيمِينَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِي نَجَّا مِنْهُمَا وَادْكَرَ بَعْدَ أُمَّةً أَنَا أُنْتِئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسَلُونَ ﴿٣٣﴾ يُوسُفُ أَيَّهَا الصِّدِيقُ أَفْتَنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنْبُلٍتٍ خُضْرٍ وَأَخَرَ يِسْتٍ لَعَلَّيَّ أَرْجِعُ إِلَيَّ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ قَالَ تَرَزَّعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَآبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٣٥﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعُ شِدَادٍ يَأْكُلُنَّ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٣٦﴾ مَمَّا تُحْصِنُونَ ﴿٣٧﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿٣٨﴾

۶ دکوں

ایک روز **36** بادشاہ نے کہا ”میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات موئی گائیں ہیں جن کو سات دُبّلی گائیں کھار ہی ہیں، اور انہج کی سات بالیں ہری ہیں اور دُوسری سات سو کھی۔ اے اہل دربار، مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خوابوں کا مطلب سمجھتے ہو۔ **37**“ لوگوں نے کہا ”یہ تو پریشان خوابوں کی باتیں ہیں اور ہم اس طرح کے خوابوں کا مطلب نہیں جانتے۔“

اُن دو قیدیوں میں سے جو شخص پنج گیاتھا اور اُسے ایک مُدّتِ دراز کے بعد اب بات یاد آئی، اُس نے کہا ”میں آپ حضرات کو اس کی تاویل بتاتا ہوں، مجھے ذرا **38** قید خانے میں یوسف[ؐ] کے پاس بھیج دیجیے۔“

اُس نے جا کر کہا ”یوسف[ؐ]، اے سراپا راستی، **39** مجھے اس خواب کا مطلب بتا کہ سات موئی گائیں ہیں جن کو سات دُبّلی گائیں کھار ہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات سو کھی۔ شاید کہ میں اُن لوگوں کے پاس واپس جاؤں اور شاید کہ وہ جان لیں۔ **40**“ یوسف[ؐ] نے کہا ”سات برس تک لگاتار تم لوگ کھیتی باڑی کرتے رہو گے۔ اس دوران میں جو فصلیں تم کاٹوں میں سے بس تھوڑا سا حصہ، جو تمہاری خوراک کے کام آئے، نکالو اور باقی کو اس کی بالوں ہی میں رہنے دو۔ پھر سات برس بہت سخت آئیں گے۔ اُس زمانے میں وہ سب غلہ کھالیا جائے گا جو تم اُس وقت کے لیے جمع کرو گے۔ اگر کچھ بچے گا تو بس وہی جو تم نے محفوظ کر کھا ہو۔ اس کے بعد پھر ایک سال ایسا آئے گا جس میں باران رحمت سے لوگوں کو فریاد رسی کی جائے گی اور وہ رس نچوڑیں گے۔ **41**“ ۶۶

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 36 ▲

پچ میں کئی سال کے زمانہ قید کا حال چھوڑ کر اب سر رشتہ بیان اس مقام سے جوڑا جاتا ہے جہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے دنیوی عروج شروع ہوا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 37 ▲

بانکیبل اور تلمود کا بیان ہے کہ ان خوابوں سے بادشاہ بہت پریشان ہو گیا تھا اور اس نے اعلان عام کے ذریعہ سے اپنے ملک کے تمام دانشمندوں، کاہنوں، مذہبی پیشواؤں اور جادوگروں کو جمع کر کے ان سب کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 38 ▲

قرآن نے یہاں اختصار سے کام لیا ہے۔ بانکیبل اور تلمود سے اس کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے (اور قیاس بھی کہتا ہے کہ ضرور ایسا ہوا ہو گا) کہ سردار ساقی نے یوسف علیہ السلام کے حالات بادشاہ سے بیان کیے، اور جیل میں اس کے خواب اور اس کے ساتھی کے خواب کی جیسی صحیح تعبیر انہوں نے دی تھی اس کا ذکر بھی کیا اور کہا کہ میں ان سے اس کی تاویل پوچھ کر آتا ہوں، مجھے قید خانہ میں ان سے ملنے کی اجازت عطا کی جائے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 39 ▲

متن میں لفظ ”صدیق“ استعمال ہوا ہے جو عربی زبان میں سچائی اور راستبازی کے انتہائی مرتبے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قید خانے کے زمانہ قیام میں اس شخص نے یوسف علیہ السلام کی سیرت پاک سے کیسا گھر اثر لیا تھا اور یہ اثر ایک مدت گزر جانے کے بعد بھی کتنا راست تھا۔ صدیق کی مزید تشریع کے لیے ملاحظہ ہو، جلد اول سورہ نساء، حاشیہ نمبر ۹۹

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 40 ▲

یعنی آپ کی قدر و منزلت جان لیں اور ان کو احساس ہو کہ کس پاپیہ کے آدمی کو انہوں نے کہاں بند کر رکھا ہے، اور اس طرح مجھے اپنے اس وعدے کے ایفاء کا موقع مل جائے جو میں نے آپ سے قید کے زمانہ میں کیا تھا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 41 ▲

متن میں لفظ ”یعصرون“ استعمال ہوا ہے جس کے لفظی معنی ”نچوڑنے“ کے ہیں۔ اس سے مقصود یہاں سر سبزی و شادابی کی وہ کیفیت بیان کرنا ہے جو قحط کے بعد باران رحمت اور دریائے نیل کے چڑھاؤ سے رونما ہونے والی تھی۔ جب زمین سیراب ہوتی ہے تو تیل دینے والے نقج اور رس دینے والے پھل اور میوے خوب پیدا ہوتے ہیں، اور مویشی بھی چارہ اچھا ملنے کی وجہ سے خوب دودھ دینے لگتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس تعبیر میں صرف بادشاہ کے خواب کا مطلب بتانے ہی پر اكتفانہ کیا، بلکہ ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ خوشحالی کے ابتدائی سات برسوں میں آنے والے قحط کے لیے کیا پیش بندی کی جائے اور غلمہ کو محفوظ رکھنے کا کیا بندوبست کیا جائے۔ پھر مزید براں آپ نے قحط کے بعد اچھے دن آنے کی خوشخبری بھی دے دی جس کا ذکر بادشاہ کے خواب میں نہ تھا۔

رَكْع٤

وَقَالَ الْمُلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَسَأَلَهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ
الَّتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيهِنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَأَوْدُنَّ يُوسُفَ عَنْ
نَفْسِهِ قُلْنَ حَاسَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ قَالَتِ امْرَأُ الْعَزِيزِ إِنَّمَا حَصَّصَ
الْحَقُّ أَنَا رَأَوْدُتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّدِيقِينَ ﴿٣٠﴾ ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخْنُهُ بِالْغَيْبِ
وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَاطِئِينَ ﴿٣١﴾ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَامَارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا
مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الْمُلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصُهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا
كَلَّهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿٣٣﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَرَآءِ الْأَرْضِ إِنِّي
حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَكَذِلِكَ مَكَنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأْ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ
بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيءُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٥﴾ وَلَا جُرُوا إِلَيْهِ خَيْرُ الَّذِينَ أَمْنَوْا
وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٣٦﴾

رکو ۶ >

بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاو۔ مگر جب شاہی فرستادہ یوسفؑ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا **42** ”اپنے رب کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا یا معااملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ میرا رب تو ان کی مکاری سے واقف ہی ہے۔ **43**“ اس پر بادشاہ نے ان عورتوں سے دریافت کیا ” تمہارا کیا تجربہ ہے اُس وقت کا جب تم نے یوسفؑ کو رجھانے کی کوشش کی تھی؟“ سب نے یک زبان ہو کر کہا ” حاشا اللہ، ہم نے تو اس میں بدی کا شائیبہ تک نہ پایا۔“ عزیز کی بیوی بول اٹھی ”اب حق گھل چکا ہے، وہ میں ہی تھی جس نے اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی، بے شک وہ بالکل سچا ہے۔ **45**“

46 یوسفؑ نے کہا ”اس سے میری غرض یہ تھی کہ عزیز یہ جان لے کہ میں نے در پر دہ اس کی خیانت نہیں کی تھی۔

اور یہ کہ جو خیانت کرتے ہیں ان کی چالوں کو اللہ کا میابی کی راہ پر نہیں لگاتا۔ میں کچھ اپنے نفس کی براءت نہیں کر رہا ہوں، نفس تو بدی پر اکساتا ہی ہے الایہ کہ کسی پر میرے رب کی رحمت ہو، بے شک میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے۔“

بادشاہ نے کہا ”اُنہیں میرے پاس لاوتا کہ میں ان کو اپنے لیے مخصوص کرلوں۔“

جب یوسفؑ نے اس سے گفتگو کی تو اس نے کہا ”اب آپ ہمارے ہاں قدر و منزلت رکھتے ہیں اور آپ کی امانت پر پورا بھروسہ ہے۔ **47** یوسفؑ نے کہا ”ملک کے خزانے میرے سپرد کیجیے، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں۔“ **47A**

اس طرح ہم نے اس سرز میں میں یوسف کے لیے اقتدار کی راہ ہموار کی۔ وہ مختار تھا کہ اس میں جہاں چاہے اپنی جگہ بنائے۔ ⁴⁸ ہم اپنی رحمت سے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں، نیک لوگوں کا اجر ہمارے ہاں مارا نہیں جاتا، اور آخرت کا اجر ان لوگوں کے لیے زیادہ بہتر ہے جو ایمان لائے اور خدا ترسی کے ساتھ کام کرتے رہے۔ ⁴⁹

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 42 ▲

یہاں سے لے کر بادشاہ کی ملاقات تک جو کچھ قرآن نے بیان کیا ہے۔۔۔۔۔ جو اس قصے کا ایک بڑا ہی اہم باب ہے۔۔۔۔۔ اس کا کوئی ذکر باقیبل اور تلمود میں نہیں ہے۔ باقیبل کا بیان ہے کہ بادشاہ کی طلبی پر حضرت یوسف علیہ السلام فوراً چلنے کے لیے تیار ہو گئے، جماعت بنوائی، کپڑے بد لے اور دربار میں جا حاضر ہوئے۔ تلمود اس سے بھی زیادہ گھٹیا صورت میں اس واقعے کو پیش کرتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ”بادشاہ نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو میرے حضور پیش کرو، اور یہ بھی ہدایت کر دی کہ دیکھو ایسا کوئی کام نہ کرنا کہ لڑکا گھبرا جائے اور صحیح تعبیر نہ دے سکے۔ چنانچہ شاہی ملازموں نے یوسف علیہ السلام کو قید خانے سے نکالا، جماعت بنوائی، کپڑے بد لوابے اور دربار میں لا کر پیش کر دیا۔ بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا تھا۔ وہاں زر و جواہر کی چمک دمک اور دربار کی شان دیکھ کر یوسف علیہ السلام ہکا بکارہ گئے اور اس کی آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ شاہی تخت کی سات سیڑھیاں تھیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی معزز آدمی بادشاہ سے کچھ عرض کرنا چاہتا تو وہ چھ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتا اور بادشاہ سے ہم کلام ہوتا تھا۔ اور جب ادنیٰ طبقہ کا کوئی آدمی شاہی مخاطبہ کے لیے بلا یا جاتا تو وہ نیچے کھڑا رہتا اور بادشاہ تیسری سیڑھی تک اتر کر اس سے بات کرتا۔ یوسف علیہ السلام اس قاعدے کے مطابق نیچے کھڑا ہوا اور زمین بوس ہو کر اس نے بادشاہ کو سلامی دی۔ اور بادشاہ نے تیسری سیڑھی تک اتر کر اس سے گفتگو کی۔ اس تصویر میں بنی اسرائیل نے اپنے جلیل

القدر پیغمبر کو جتنا گرا کر پیش کیا ہے اس کو نگاہ میں رکھیے اور پھر دیکھیے کہ قرآن ان کے قید سے نکلنے اور بادشاہ سے ملنے کا واقعہ کس شان اور کس آن بان کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا ہر صاحب نظر کا اپنا کام ہے کہ ان دونوں تصویروں میں سے کونسی تصویر پیغمبری کے مرتبے سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ علاوہ بریں یہ بات بھی عقل عام کو ٹھنڈتی ہے کہ اگر بادشاہ کی ملاقات کے وقت تک حضرت یوسف علیہ السلام کی حیثیت اتنی گری ہوئی تھی جتنی تلمود کے بیان سے معلوم ہوتی ہے، تو خواب کی تعبیر سننے ہی یکاکی ان کو تمام سلطنت کا مختار کل کیسے بنادیا گیا۔ ایک مہذب و متمن ملک میں اتنا بڑا مرتبہ تو آدمی کو اسی وقت ملا کرتا ہے جب کہ وہ اپنی اخلاقی و ذہنی برتری کا سکھ لوگوں پر بٹھا چکا ہو۔ پس عقل کی رو سے بھی باکیبل اور تلمود کی بہ نسبت قرآن کا بیان زیادہ مطابق حقیقت معلوم ہوتا ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 43 ▲

یعنی جہاں تک میرے رب کا معاملہ ہے، اس کو تو پہلے ہی میری بے گناہی کا حال معلوم ہے۔ مگر تمہارے رب کو بھی میری رہائی سے پہلے اس معاملہ کو پوری طرح تحقیق کر لینی چاہیے جس کی بنا پر مجھے جیل میں ڈالا گیا تھا۔ کیونکہ میں کسی شبہہ اور کسی بد گمانی کا داعی ہی نہیں آنا چاہتا۔ مجھے رہا کرنا ہے تو پہلے بر سر عام یہ ثابت ہونا چاہیے کہ میں بے قصور تھا۔ اصل قصور وار تمہاری سلطنت کے کار فرما اور کار پرواز تھے جنہوں نے اپنی بیگمات کی بد اطواری کا خمیازہ میری پاک دامنی پر ڈالا۔

اس مطالبے کو حضرت یوسف علیہ السلام جن الفاظ میں پیش کرتے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ مصر اس پورے واقعہ سے پہلے ہی واقف تھا جو بیگم عزیز کی دعوت کے موقع پر پیش آیا تھا۔ بلکہ وہ ایسا مشہور واقعہ تھا کہ اس کی طرف صرف ایک اشارہ ہی کافی تھا۔

پھر اس مطالبہ میں حضرت یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی بیوی کو چھوڑ کر صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کے ذکر پر اکتفا فرماتے ہیں۔ یہ ان کی انتہائی شرافت نفس کا ایک اور ثبوت ہے۔ اس عورت نے ان کے ساتھ خواہ کتنی ہی برائی کی ہو، مگر پھر بھی اس کا شوہران کا محسن تھا اس لیے انہوں نے نہ چاہا کہ اس کے ناموس پر خود کوئی حرف لا سکیں۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 44 ▲

ممکن ہے کہ شاہی محل میں ان تمام خواتین کو جمع کر کے یہ شہادت لی گئی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بادشاہ نے کسی معتمد خاص کو بھیج کر فرداً فرداً ان سے دریافت کرایا ہو۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 45 ▲

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان شہادتوں نے کس طرح آٹھ نو سال پہلے کے واقعات کو تازہ کر دیا ہو گا، کس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی شخصیت زمانہ قید کی طویل مگنامی سے نکل کر یک ایک پھر سطح پر آگئی ہو گی، اور کس طرح مصر کے تمام اشراف معززین، متوسطین اور عوام تک میں آپ کا اخلاقی و قار قائم ہو گیا ہو گا۔ اوپر بائیبل اور تلمود کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ بادشاہ نے اعلان عام کر کے تمام مملکت کے دانشمندوں اور علماء اور پیروں کو جمع کیا تھا اور وہ سب اس کے خواب کا مطلب بیان کرنے سے عاجز ہو چکے تھے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کا مطلب یہ بتایا۔ اس واقعہ کی بنا پر پہلے ہی سے سارے ملک کی نگائیں آپ کی ذات پر مر تکز ہو چکی ہو گی۔ پھر جب بادشاہ کی طلبی پر آپ نے باہر نکلنے سے انکار کیا ہو گا تو سارے لوگ اچنہبے میں پڑ گئے ہوں گے کہ یہ عجیب قسم کا بلند حوصلہ انسان ہے جس کو آٹھ نوبرس کی قید کے بعد بادشاہ وقت مہربان ہو کر بلا رہا ہے اور پھر بھی وہ بیتاب ہو کر دوڑ نہیں پڑتا۔ پھر جب لوگوں کو معلوم ہوا ہو گا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنی رہائی قبول کرنے اور بادشاہ وقت کی ملاقات کو آنے کے لیے کیا شرط پیش کی ہے تو سب کی نگاہیں اس تحقیقات کے نتیجے پر لگ گئی ہوں گی۔ اور جب لوگوں نے

اس کا نتیجہ سنا ہو گا تو ملک کا بچہ بچہ عش عش کرتا رہ گیا ہو گا کہ کس قدر پاکیزہ سیرت کا ہے یہ انسان جس کی طہارت نفس پر آج وہی لوگ گواہی دے رہے ہیں جنہوں نے مل کر کل اسے جیل میں ڈالا تھا۔ اس صورت حال پر اگر غور کیا جائے تو اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے بام عروج پر پہنچنے کے لیے کس طرح فضاساز گار ہو چکی تھی۔ اس کے بعد یہ بات کچھ بھی قابل تعجب نہیں رہتی کہ حضرت یوسفؑ نے بادشاہ سے ملاقات کے موقع پر خزانے ارض کی سپردگی کا مطالبہ کیسے بے دھڑک پیش کر دیا اور بادشاہ نے اسے کیوں بے تامل قبول کر لیا۔ اگر بات صرف اسی قدر ہوتی کہ جیل کے ایک قیدی نے بادشاہ کے ایک خواب کی تعبیر بتا دی تھی تو ظاہر ہے کہ اس پر وہ زیادہ سے زیادہ کسی انعام کا اور خلاصی پا جانے کا مستحق ہو سکتا تھا۔ اتنی سی بات اس کے لیے تو کافی نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ بادشاہ سے کہے ”خزانے ارض میرے حوالہ کرو“ اور بادشاہ کہہ دے ”لیجیے، سب کچھ حاضر ہے۔“

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 46 ▲

یہ بات غالباً یوسف علیہ السلام نے اس وقت کہی ہو گی جب قید خانہ میں آپ کو تحقیقات کے نتیجے کی خبر دی گئی ہو گی۔ بعض مفسرین، جن میں ابن تیمیہ اور ابن کثیر جیسے فضلاً بھی شامل ہیں، اس فقرے کو حضرت یوسف کا نہیں بلکہ عزیز کی بیوی کے قول کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ فقرہ امر آة العزیز کے قول سے متصل آیا ہے اور بیچ میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ ”إِنَّهُ لَمِنَ الْصَّادِقِينَ“ پر امر آة العزیز کی بات ختم ہو گئی اور بعد کا کلام حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر دو آدمیوں کے قول ایک دوسرے سے متصل واقع ہوں اور اس امر کی صراحت نہ ہو کہ یہ قول فلاں کا ہے اور یہ فلاں کا، تو اس صورت میں لازماً کوئی قرینہ ایسا ہونا چاہیے جس سے دونوں کے کلام میں فرق کیا جاسکے، اور یہاں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ اس لیے یہی ماننا پڑے گا کہ الْغَنَّ

حَصَّاصُ الْحُقُّ سے لے کر إِنَّ رَبِّيْ خَفُوْرُ رَّحِيمُ تک پورا کلام امر آة العزیز کا ہی ہے۔ لیکن مجھے تعجب ہے کہ ابن تیمیہ جیسے دیقہ رس آدمی تک کی نگاہ سے یہ بات کیسے چوک گئی کہ شان کلام بجائے خود ایک بہت بڑا قرینہ ہے جس کے ہوتے کسی اور قرینہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ پہلا فقرہ تو بلاشبہ امر آة العزیز کے منہ پر پھبٹتا ہے، مگر کیا دوسرا فقرہ بھی اس کی حیثیت کے مطابق نظر آتا ہے؟ یہاں تو شان کلام صاف کہہ رہی ہے کہ اس کے قائل حضرت یوسف علیہ السلام ہیں نہ کہ عزیز مصر کی بیوی۔ اس کلام میں جو نیک نفسی، جو عالیٰ ظرفی، جو فروتنی اور جو خدا تری بول رہی ہے وہ خود گواہ ہے کہ یہ فقرہ اس زبان سے نکلا ہوا نہیں ہو سکتا جس سے هَيَّتَ لَكَ نَكَالُهَا۔ جس سے مَا جَزَّاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءً نَكَالُهَا، اور جس سے بھری محفل کے سامنے یہ تک نکل سکتا تھا کہ لَمْ يَفْعَلْ مَا أُمِرُّهُ لَيُسْجَنَ۔ ایسا پاکیزہ فقرہ تو وہی زبان بول سکتی تھی جو اس سے پہلے مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّيْ أَحْسَنَ مَثُوَّاَیَ کہہ چکی تھی، جو رَبِّ السِّجْنِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مَمَّا يَدْعُونَنِی إِلَيْهِ کہہ چکی تھی، جو لَا تَصْرِفْ حَنْفِيْ كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ کہہ چکی تھی۔ ایسے پاکیزہ کلام کو یوسف صدیق کے بجائے امر آة العزیز کا کلام ماننا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کوئی قرینہ اس امر پر دلالت نہ کرے کہ اس مرحلے پر پہنچ کر اسے توبہ اور ایمان اور اصلاح نفس کی توفیق نصیب ہو گئی تھی، اور افسوس ہے کہ ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 47 ▲

یہ بادشاہ کی طرف سے گویا ایک کھلا اشارہ تھا کہ آپ کو ہر ذمہ داری کا منصب سونپا جا سکتا ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 47A

اس سے پہلے جو توضیحات گزر چکی ہیں ان کی روشنی میں دیکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ کوئی نوکری کی درخواست نہیں تھی جو کسی طالب جاہ نے وقت کے بادشاہ کی اشارہ پاتے ہی جھٹ سے پیش کر دی ہو۔ درحقیقت یہ اس انقلاب کا دروازہ کھولنے کے لیے آخری ضرب تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام کی اخلاقی طاقت سے پچھلے دس بارہ سال کے اندر نشوونما پا کر ظہور کے لیے تیار ہو چکا تھا اور اب جس کا فتح باب صرف ایک ٹھوکنے کے ہی کام تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام آزمائشوں کے ایک طویل سلسلے سے گزر کر آرہے تھے۔ اور یہ آزمائشوں کے گوشے میں پیش نہیں آئی تھیں بلکہ بادشاہ سے لے کر عام شہر یوں تک مصر کا بچہ بچہ ان سے واقف تھا۔ ان آزمائشوں میں انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ امانت، راستبازی، حلم، ضبط نفس، عالی ظرفی، ذہانت و فراست اور معاملہ فہمی میں کم از کم اپنے زمانہ کے لوگوں کے درمیان تو اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ ان کی شخصیت کے یہ اوصاف اس طرح کھل چکے تھے کہ کسی کو ان سے انکار کی مجال نہ رہی تھی۔ زبانیں ان کی شہادت دے چکی تھیں۔ دل ان سے مسخر ہو چکے تھے۔ خود بادشاہ ان کے آگے ہتھیار ڈال چکا تھا۔ ان کا ”حفیظ“ اور ”علیم“ ہونا اب محض ایک دعویٰ نہ تھا بلکہ ایک ثابت شدہ واقعہ تھا جس پر سب ایمان لا چکے تھے۔ اب اگر کچھ کسر باقی تھی تو وہ صرف اتنی کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود حکومت کے ان اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے پر رضامندی ظاہر کریں جن کے لیے بادشاہ اور اس کے اعیان سلطنت اپنی جگہ بخوبی جان چکے تھے کہ ان سے زیادہ موزوں آدمی اور کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ یہی وہ کسر تھی جو انہوں نے اپنے اس فقرے سے پوری کر دی۔ ان کی زبان سے اس مطالبے کے نکتے ہی بادشاہ اور اس کی کو نسل نے جس طرح اسے برسو چشم قبول کیا وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ پھل اتنا پک چکا

تھا کہ اب ٹوٹنے کے لیے ایک اشارے ہی کا منتظر تھا۔ (تلמוד کا بیان ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حکومت کے اختیارات سونپنے کا فیصلہ تنہا بادشاہ ہی نے نہیں کیا تھا بلکہ پوری شاہی کو نسل نے بالاتفاق اس کے حق میں رائے دی تھی)۔ یہ اختیارات جو حضرت یوسف علیہ السلام نے مانگے اور ان کو سونپے گئے ان کی نوعیت کیا تھی؟ نادا قف لوگ یہاں ”خزانَ ارض“ کے الفاظ اور آگے چل کر غلہ کی تقسیم کا ذکر دیکھ کر قیاس کرتے ہیں کہ شاید یہ افسر خزانہ، یا افسر مال، یا قحط کمشنر، یا وزیر مالیات، یا وزیر غذا ایمیٹ کی قسم کا کوئی عہدہ ہو گا۔ لیکن قرآن، باکیبل، اور تلمود کی متفقہ شہادت ہے کہ درحقیقت حضرت یوسف علیہ السلام سلطنت مصر کے مختار کل (رومی اصطلاح میں ڈکٹیٹر) بنائے گئے تھے اور ملک کا سیاہ و سپید سب کچھ ان کے اختیار میں دے دیا گیا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر پہنچے ہیں اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام تخت نشین تھے (وَرَفَعَ أَبُو يُهٰدِي عَلَى الْعَرْشِ)۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی اپنی زبان سے نکلا ہوا یہ فقرہ قرآن میں منقول ہے کہ ”اے میرے رب، تو نے مجھے بادشاہی عطا کی“ (رَبِّ قَدْ أَتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ)۔ پیالے کی چوری کے موقع پر سرکاری ملازم حضرت یوسف علیہ السلام کے پیالے کو بادشاہ کا پیالہ کہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ مصر پر ان کے اقتدار کی کیفیت یہ بیان فرماتا ہے کہ ساری سر زمین مصر ان کی تھی (يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ)۔ رہی باکیبل تو وہ شہادت دیتی ہے کہ فرعون نے یوسف علیہ السلام سے کہا ”سو تو میرے گھر کا مختار ہو گا اور میری ساری رعایا تیرے حکم پر چلے گی فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب سے میں بزرگ تر ہوں گا..... دیکھ میں تجھے سارے ملک مصر کا حاکم بناتا ہوں اور تیرے حکم کے بغیر کوئی آدمی اس سارے ملک مصر میں اپنا ہاتھ یا پاؤں نہ ہلانے پائے گا۔ اور فرعون نے یوسف علیہ

السلام کا نام ضفیقات فغیح (دنیا کا نجات دہنده) رکھا۔ (پیدائش ۳۱:۳۹ - ۳۵) (اور تلمود کہتی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے مصر سے واپس جا کر اپنے والد سے حاکم مصر (یوسف علیہ السلام) کی تعریف کرتے ہوئے بیان کیا ”: اپنے ملک کے باشندوں پر اس کا اقتدا سب سے بالا ہے۔ اس کے حکم پر وہ نکلتے اور اسی کے حکم پر وہ داخل ہوتے ہیں۔ اس کی زبان سارے ملک پر فرمانروائی کرتی ہے۔ کسی معاملہ میں فرعون کے اذن کی ضرورت نہیں ہوتی۔“ دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ اختیارات کس غرض کے لیے مانگے تھے؟ انہوں نے اپنی خدمات اس لیے پیش کی تھیں کہ ایک کافر حکومت کے نظام کو اس کے کافرانہ اصول و قوانین ہی پر چلانیں؟ یا ان کے پیش نظر یہ تھا کہ حکومت کا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے کر ملک کے نظام تمدن و اخلاق و سیاست کو اسلام کے مطابق ڈھال دیں؟ اس سوال کا بہترین جواب وہ ہے جو علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر ”کشاف“ میں دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ”: حضرت یوسف علیہ السلام نے ”أَجْعَلْنِي عَلَى خَرَّابِ الْأَرْضِ“ جو فرمایا تو اس سے ان کی غرض صرف یہ تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے احکام جاری کرنے اور حق قائم کرنے اور عدل پھیلانے کا موقع مل جائے اور وہ اس کام کو انجام دینے کی طاقت حاصل کر لیں جس کے لیے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے ہیں۔ انہوں نے بادشاہی کی محبت اور دنیا کے لائق میں یہ مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ جانتے ہوئے کیا تھا کہ کوئی دوسرا شخص ان کے سوا ایسا نہیں ہے جو اس کام کو انجام دے سکے۔“ اور سچ یہ ہے کہ یہ سوال دراصل ایک اور سوال پیدا کرتا ہے جو اس سے بھی زیادہ اہم اور بنیادی سوال ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام آیا پیغمبر بھی تھے یا نہیں؟ اگر پیغمبر تھے تو کیا قرآن میں ہم کو پیغمبری کا یہی تصور ملتا ہے کہ اسلام کا داعی خود نظام کفر

کو کافرانہ اصولوں پر چلانے کے لیے اپنی خدمات پیش کرے؟ بلکہ یہ سوال اس پر بھی ختم نہیں ہوتا، اس سے بھی زیادہ نازک اور سخت ایک دوسرے سوال پر جا کر ٹھیک رہتا ہے، یعنی یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک راستباز آدمی بھی تھے یا نہیں؟ اگر راستباز تھے تو کیا ایک راستباز انسان کا یہی کام ہے کہ قید خانے میں تو وہ اپنی پیغمبرانہ دعوت کا آغاز اس سوال سے کرے کہ ”بہت سے رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے“، اور بار بار اہل مصر پر بھی واضح کر دے کہ تمہارے ان بہت سے متفرق خود ساختہ خداوں میں سے ایک یہ شاہ مصر بھی ہے، اور صاف صاف اپنے مشن کا بنیادی عقیدہ یہ بیان کرے کہ ”فرمانروائی کا اقتدار خدائے واحد کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے“، مگر جب عملی آزمائش کا وقت آئے تو وہی شخص خود اس نظام حکومت کا خادم، بلکہ ناظم اور محافظ اور پشت پناہ تک بن جائے جو شاہ مصر کی ربویت میں چل رہا تھا اور جس کا بنیادی نظریہ ”فرمانروائی کے اختیارات خدا کے لیے نہیں بلکہ بادشاہ کے لیے ہیں“ تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ اس مقام کی تفسیر میں دورالخطاط کے مسلمانوں نے کچھ اسی ذہنیت کا اظہار کیا ہے جو کچھ یہودیوں کی خصوصیت تھی۔ یہ یہودیوں کا حال تھا کہ جب وہ ذہنی و اخلاقی پستی میں مبتلا ہوئے تو کچھ تاریخ میں جن جن بزرگوں کی سیرتیں ان کو بلندی پر چڑھنے کا سبق دیتی تھیں ان سب کو وہ نیچے گرا کر اپنے مرتبے پر اتار لائے تاکہ اپنے لیے اور زیادہ نیچے گرنے کا بہانہ پیدا کریں۔ افسوس کہ یہی کچھ مسلمانوں نے بھی کیا۔ انہیں کافر حکومتوں کی چاکری کرنی تھی، مگر اس پستی میں گرتے ہوئے اسلام اور اس کے علمبرداروں کی بلندی دیکھ کر انہیں شرم آئی، لہذا اس شرم کو مٹنے اور اپنے ضمیر کو راضی کرنے کے لیے یہ اپنے ساتھ اس جلیل القدر پیغمبر کو بھی خدمت کفر کی گھر ائمیں میں لے گرے جس کی زندگی دراصل انہیں یہ سبق دے رہی تھی کہ اگر کسی ملک میں ایک اور صرف ایک مرد مومن بھی خالص اسلامی اخلاق اور ایمانی فرست و

حکمت کا حامل ہو تو وہ تن تھا مجرد اپنے اخلاق اور اپنی حکمت کے زور سے اسلامی انقلاب برپا کر سکتا ہے، اور یہ کہ مومن کی اخلاقی طاقت (بشرطیکہ وہ اس کا استعمال جانتا ہو اور اسے استعمال کرنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو) فوج اور اسلحہ اور سروسامان کے بغیر بھی ملک فتح کر سکتی ہے اور سلطنتوں کو مسخر کر لیتی ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 48 ▲

یعنی اب ساری سر زمین مصر اس کی تھی۔ اس کی ہر جگہ کو وہ اپنی جگہ کہہ سکتا تھا۔ وہاں کوئی گوشہ بھی ایسا نہ رہا تھا جو اس سے روکا جا سکتا ہو۔ یہ گویا اس کا مل تسلط اور ہمہ گیر اقتدار کا بیان ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو اس ملک پر حاصل تھا۔ قدیم مفسرین بھی اس آیت کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن زید کے حوالہ سے علامہ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ ”ہم نے یوسف علیہ السلام کو ان سب چیزوں کا مالک بنادیا جو مصر میں تھیں، دنیا کے اس حصے میں وہ جہاں جو کچھ چاہتا کر سکتا تھا، وہ سر زمین اس کے حوالہ کر دی گئی تھی، حتیٰ کہ اگر وہ چاہتا کہ فرعون کو اپنا زیر دست کر لے اور خود اس سے بالاتر ہو جائے تو یہ بھی کر سکتا تھا۔“ دوسرا قول علامہ موصوف نے مجاہد کا نقل کیا ہے جو مشہور انہ تفسیر میں سے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بادشاہ مصر نے یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 49 ▲

یہ تنبیہ ہے اس امر پر کہ کوئی شخص دنیوی حکومت و اقتدار کو نیکی و نکوکاری کا اصلی اجر اور حقیقی اجر مطلوب نہ سمجھ بیٹھے بلکہ خبردار ہے کہ بہترین اجر، اور وہ اجر جو مومن کو مطلوب ہونا چاہیے، وہ ہے جو اللہ تعالیٰ آخرت میں عطا فرمائے گا۔

وَجَاءَ إِخْوَةً يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَمَّا جَهَزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ
 ائْتُونِي بِأَخِيهِ كُمْ مِنْ أَبِيكُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوْفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزَلِينَ ﴿٥٩﴾ فَإِنْ لَمْ
 تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونَ ﴿٦٠﴾ قَالُوا سُنْرَا وَدُعْنَهُ أَبَاهُ وَإِنَّا نَفْعِلُونَ
 وَقَالَ لِفِتْنِينِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَابِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَى آهْلِهِمْ
 لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦١﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَى آبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنْعِيْمَنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسَلَ مَعَنَّا
 أَخَانَا نَكْتَلُ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ هُلْ أَمْنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمْنُتُكُمْ عَلَى آخِيهِ
 مِنْ قَبْلُ فَإِنَّ اللَّهَ خَيْرٌ حَفِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿٦٣﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا
 بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِيْ هَذِهِ بِضَاعَتْنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَ
 نَحْفَظُ أَخَانَا وَنَرْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ذِلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٤﴾ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا
 مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطِبُكُمْ فَلَمَّا أَتَوْهُمْ مَوْثِقُهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكَيْلٌ وَ
 قَالَ يَبْنِي لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُخْبِرْتُ عَنْكُمْ مِنَ
 اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكِّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلِيَتَوَكَّلَ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٥﴾ وَلَمَّا
 دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمْرُهُمْ أَبْوُهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسٍ
 يَعْقُوبَ قَضَهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لَمَّا عَلَمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

دکو٦

یوسف کے بھائی مصر آئے اور اس کے ہاں حاضر ہوئے۔ ۵۰ اس نے انہیں پہچان لیا مگر وہ اس سے نا آشنا تھے۔ ۵۱ پھر جب اس نے ان کا سامان تیار کروایا تو چلتے وقت ان سے کہا ”اپنے سوتیلے بھائی کو میرے پاس لانا۔ دیکھتے نہیں ہو کہ میں کس طرح پہچانہ بھر کر دیتا ہوں اور کیسا اچھا مہمان نواز ہوں۔ اگر تم اسے نہ لاؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی غلہ نہیں ہے بلکہ تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔“ ۵۲ انہوں نے کہا ”ہم کوشش کریں گے کہ والد صاحب اسے بھیجنے پر راضی ہو جائیں، اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔“ یوسف نے اپنے غلاموں کو اشارہ کیا کہ ”ان لوگوں نے غلے کے عوض جو مال دیا ہے وہ جُنکے سے ان کے سامان ہی میں رکھ دو۔“ یہ یوسف نے اس امید پر کیا کہ گھر پہنچ کر وہ اپنا واپس پایا ہو اماں پہچان جائیں گے یا اس فیاضی پر احسان مند ہوں گے یا اور عجب نہیں کہ پھر پلٹیں۔

جب وہ اپنے باپ کے پاس گئے تو کہا ”ابا جان، آئندہ ہم کو غلہ دینے سے انکار کر دیا گیا ہے، لہذا آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے تاکہ ہم غلہ لے کر آئیں۔ اور اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں۔“ باپ نے جواب دیا ”کیا میں اُس کے معاملے میں تم پر ویسا ہی بھروسہ کروں جیسا اس سے پہلے اُس کے بھائی کے معاملہ میں کر چکا ہوں؟ اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔“

پھر جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ اُن کا مال بھی انہیں واپس کر دیا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ پکار اُٹھے ”ابا جان! اور ہمیں کیا چاہیے، دیکھیے یہ ہمارا مال بھی ہمیں واپس دے دیا گیا ہے۔ بس اب ہم جائیں گے اور اپنے اہل و عیال کے لیے رسد لے آئیں گے، اپنے بھائی کی حفاظت بھی کریں گے اور ایک بار شتر اور زیادہ بھی لے آئیں گے، اتنے غلے کا اضافہ آسانی کے ساتھ ہو جائے گا۔“ ان کے باپ نے کہا ”میں اس

کو ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجن گا جب تک کہ تم اللہ کے نام سے مجھ کو پیمانہ دے دو گے کہ اسے میرے پاس ضرور واپس لے کر آؤ گے لایہ کہ کہیں تم گھیر ہی لیے جاؤ۔ ”جب انہوں نے اس کو اپنے اپنے پیمان دے دیے تو اُس نے کہا ”دیکھو، ہمارے اس قول پر اللہ نگہبان ہے۔“ پھر اُس نے کہا ”میرے بچو، مصر کے دارالسلطنت میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے جانا۔⁵³ مگر میں اللہ کی مشیت سے تم کو نہیں بچا سکتا، حکم اُس کے سوا کسی کا بھی نہیں چلتا، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور جس کو بھی بھروسہ کرنا ہو اُسی پر کرے۔“ اور واقعہ یہ بھی ہوا کہ جب وہ اپنے باپ کی ہدایت کے مطابق شہر میں متفرق دروازوں سے ^{پھر} داخل ہوئے تو اُس کی یہ احتیاطی تدبیر اللہ کی مشیت کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہ آسکی۔ ہاں بس یعقوب کے دل میں جو ایک کھٹک تھی اسے دور کرنے کے لیے اُس نے اپنی سی کوشش کر لی۔ بے شک وہ ہماری دی ہوئی تعلیم سے صاحب علم تھا مگر اکثر لوگ معاملہ کی حقیقت کو جانتے نہیں ہیں۔⁵⁴

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 50 ▲

یہاں پھر سات آٹھ برس کے واقعات درمیان میں چھوڑ کر سلسلہ بیان اس جگہ سے جوڑ دیا گیا ہے۔ جہاں سے بنی اسرائیل کے مصر منتقل ہونے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے گم شدہ صاحبزادے کا پتہ ملنے کی ابتداء ہوتی ہے۔ بیچ میں جو واقعات چھوڑ دیے گئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ خواب والی پیش خبری کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت کے پہلے سات سال مصر میں انتہائی خوشحالی کے گزرے اور ان ایام میں انہوں نے آنے والے قحط کے لیے وہ تمام پیش بندیاں کر لیں جن کا مشورہ بادشاہ کے خواب کی تعبیر بتاتے وقت وہ دے چکے تھے۔ اس کے بعد قحط کا دور شروع ہوا اور یہ قحط صرف مصر ہی میں نہ تھا بلکہ آس پاس کے ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آگئے تھے۔ شام، فلسطین، شرق اردن، شمالی عرب، سب جگہ

خشک سالی کا دور دورہ تھا۔ ان حالات میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دانشمندانہ انتظام کی بدولت صرف مصر ہی وہ ملک تھا جہاں قحط کے باوجود غلہ کی فراط تھی۔ اس لیے ہمسایہ ممالک کے لوگ مجبور ہوئے کہ غلہ حاصل کرنے کے لیے مصر کی طرف رجوع کریں۔ یہی وہ موقع تھا جب فلسطین سے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ خریدنے کے لیے مصر پہنچے۔ غالباً حضرت یوسف علیہ السلام نے غلہ کی اس طرح ضابطہ بندی کی ہوگی کہ بیرونی ممالک میں خاص اجازت ناموں کے بغیر اور خاص مقدار سے زیادہ غلہ نہ جاسکتا ہو گا۔ اس وجہ سے جب برادران یوسف علیہ السلام نے غیر ملک سے آکر غلہ حاصل کرنا چاہا ہو گا تو انہیں اس کے لیے خاص اجازت نامہ حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی ہوگی اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ان کی پیشی کی نوبت آئی ہوگی۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 51 ▲

برادران یوسف علیہ السلام کا آپ کونہ پہچانا کچھ بعید از قیاس نہیں ہے۔ جس وقت انہوں نے آپ کو کنویں میں پھینکا تھا اس وقت آپ صرف سترہ سال کے لڑکے تھے۔ اور آپ آپ کی عمر ۳۸ سال کے لگ بھگ تھی۔ اتنی طویل مدت آدمی کو بہت کچھ بدلتی ہے۔ پھر یہ تو ان کے وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ جس بھائی کو وہ کنویں میں پھینک گئے تھے وہ آج مصر کا مختار مطلق ہو گا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 52 ▲

اختصار بیان کی وجہ سے شاید کسی کو یہ سمجھنے میں دقت ہو کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب اپنی شخصیت کو ان پر ظاہرنہ کرنا چاہتے تھے تو پھر ان کے سوتیلے بھائی کا ذکر کیسے آگیا اور اس کے لانے پر اس قدر اصرار کرنے کے کیا معنی تھے، کیونکہ اس طرح تواریخ فاش ہوا جاتا تھا۔ لیکن تھوڑا سا غور کرنے سے بات صاف سمجھ میں آ جاتی ہے۔ وہاں غلے کی ضابطہ بندی تھی اور ہر شخص ایک مقرر مقدار غلہ ہی لے سکتا تھا۔ غلہ لینے کے لیے یہ دس بھائی آئے تھے۔ مگر وہ اپنے والد اور اپنے گیارہویں بھائی کا حصہ بھی مانگتے ہوں گے۔ اور پر

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا ہو گا کہ تمہارے والد کے خود نہ آنے کے لیے تو یہ غدر معقول ہو سکتا ہے کہ وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہیں، مگر بھائی کے نہ آنے کا کیا معقول سبب ہو سکتا ہے؟ کہیں تم ایک فرضی نام سے زائد غلہ حاصل کرنے اور پھر ناجائز تجارت کرنے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب میں اپنے گھر کے کچھ حالات بیان کیے ہوں گے اور بتایا ہو گا کہ وہ ہمارا سوتیلا بھائی ہے اور بعض وجوہ سے ہمارے والد اس کو ہمارے ساتھ بھیجنے میں تأمل کرتے ہیں۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہو گا کہ خیر، اس وقت تو ہم تمہاری زبان کا اعتبار کر کے تم کو پورا غلہ دیے دیتے ہیں، مگر آئندہ اگر تم اس کو ساتھ نہ لائے تو تمہارا اعتبار جاتا رہے گا اور تمہیں یہاں سے کوئی غلہ نہ مل سکے گا۔ اس حاکمانہ دھمکی کے ساتھ آپ نے ان کو اپنے احسان اپنی مہماں نوازی سے بھی رام کرنے کی کوشش کی، کیونکہ دل اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھنے اور گھر کے حالات معلوم کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ یہ معاملہ کہ ایک سادہ سی صورت ہے جو ذرا غور کرنے سے خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے۔ اس صورت میں بائیبل کی اس مبالغہ آمیز داستان پر اعتماد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی جو کتاب پیدائش کے باب ۳۲-۳۳ میں بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔

▲ سورہ یوسف حاشیہ نمبر: 53

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یوسف کے بعد ان کے بھائی کو بھیختے وقت یعقوب کے دل پر کیا کچھ گزر رہی ہو گی گو خدا پر بھروسہ تھا اور صبر و تسلیم میں ان کا مقام نہایت بلند تھا، مگر پھر بھی تھے تو انسان ہی، طرح طرح کے اندازے دل میں آتے ہوں گے اور رہ کر اس خیال سے کانپ اٹھتے ہوں گے کہ خدا جانے اب اس لڑکے کی صورت بھی دیکھ سکوں گا یا نہیں، اسی لیے وہ چاہتے ہوں گے کہ اپنی حد تک احتیاط میں کوئی کسر نہ اٹھار کھی جائے۔

یہ احتیاطی مشورہ کہ مصر کے دارالسلطنت میں یہ سب بھائی ایک دروازے سے نہ جائیں، ان سیاسی حالات کا تصور کرنے سے صاف سمجھ میں آ جاتا ہے جو وقت پائے جاتے تھے، یہ لوگ سلطنت مصر کی سرحد پر آزاد قبائلی علاقے کے رہنے والے تھے، اہل مصر اس علاقے کے لوگوں کو اسی شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے جس نگاہ سے ہندوستان کی برطانوی حکومت آزاد سرحدی علاقے والوں کو دیکھتی رہی ہے۔ حضرت یعقوب کو اندیشہ ہوا ہو گا کہ اس قحط کے زمانہ میں اگر یہ لوگ ایک جتحابنے ہوئے وہاں داخل ہوں گے تو شاید انہیں مشتبہ سمجھا جائے اور یہ گمان کیا جائے کہ یہ یہاں لوٹ مار کی غرض سے آئے ہیں، پچھلی آیت میں حضرت یعقوب کا یہ ارشاد کہ "الا یہ کہ کہیں تم گھیر ہی لیے جاؤ" اس مضمون کی طرف خود اشارہ کر رہا ہے کہ یہ مشورہ سیاسی اسباب کی بناء پر تھا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 54 ▲

اس کا مطلب یہ ہے کہ تدبیر اور توکل کے درمیان یہ ٹھیک ٹھیک توازن جو تم حضرت یعقوب کے مذکورہ بالا اقوال میں پاتے ہو، یہ دراصل علم حقیقت کے اس فیضان کا نتیجہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان پر ہوا تھا، ایک طرف وہ عالم اسباب کے قوانین کے مطابق تمام ایسی تدبیریں کرتے ہیں جو عقل و فکر اور تجربہ کی بنابر اختریار کرنی ممکن تھیں، بیٹوں کو ان کا پہلا جرم یاد دلا کر زجر و تنبيہ کرتے ہیں تاکہ وہ دوبارہ ویسا ہی جرم کرنے کی جرات نہ کریں، ان سے خدا کے نام پر عہد و پیمان لیتے ہیں کہ سوتیلے بھائی کی حفاظت کریں گے اور وقت کے سیاسی حالات کو دیکھتے ہوئے جس احتیاطی تدبیر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اسے بھی استعمال کرنے کا حکم دیتے ہیں تاکہ اپنی حد تک کوئی خارجی سبب بھی ایسا نہ رہنے دیا جائے جو ان لوگوں کے گھر جانے کا موجب ہو، مگر دوسری طرف ہر آن یہ بات ان کے پیش نظر ہے اور اس کا بار بار اظہار کرتے ہیں کہ کوئی انسانی تدبیر اللہ کی مشیت کو نافذ ہونے سے نہیں روک سکتی، اور اصل حفاظت اللہ کی حفاظت ہے،

اور بھروسا اپنی تدبیروں پر نہیں بلکہ اللہ ہی کے فضل پر ہونا چاہیے، یہ صحیح توازن اپنی باتوں میں اور اپنے کاموں میں صرف وہی شخص قائم کر سکتا ہے جو حقیقت کا علم رکھتا ہو، جو یہ بھی جانتا ہو کہ حیات دنیا کے ظاہری پہلو میں اللہ بنائی ہوئی فطرت انسان سے کس سعی و عمل کا تقاضا کرتی ہے اور اس سے بھی واقف ہو کہ اس ظاہر کے پیچھے جو حقیقت نفس الامری پوشیدہ ہے اس کی بنا پر اصل کار فرما طاقت کو نسی ہے اور اس کے ہوتے ہوئے اپنی سعی و عمل پر انسان کا بھروسا کس قدر بے بنیاد ہے، یہی وہ بات ہے جس کو اکثر لوگ نہیں جانتے، ان میں سے جس کے ذہن پر ظاہر کا غلبہ ہوتا ہے وہ توکل سے غافل ہو کر تدبیر ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے اور جس کے دل پر باطن چھا جاتا ہے وہ تدبیر سے بے پرواہ ہو کر نزے توکل ہی کے بل پر زندگی کی گاڑی چلانا چاہتا ہے۔

مَتَّاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذَا لَظَلَمُونَ

فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَزَّلْنَا مِنَ الْمُحْسِنِينَ

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَّأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا

أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ

قَالُوا يَا يَاهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبَا شَيْخًا كَبِيرًا

فَأَسْرَهَا يُوسُفُ فَأَسْرَهَا مِنْ قَبْلٍ

وَعَاءٌ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وَعَاءٍ أَخِيهِ

فَبَدَأَ أَبَا عَيْتَهِمْ قَبْلَ

جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحِيلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذِلِكَ نَحْزِي الظَّلَمِيْنَ

قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كُذَّابِيْنَ

قَالُوا لَيْسَ

عَلِيْمٌ مَّا حَدَّدْنَا

قَالُوا تَالِهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا

قَالُوا وَهُوَ زَعِيمٌ

كَذِلِكَ نَحْزِي الظَّلَمِيْنَ

قَالُوا وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ

فَلَمَّا جَهَرَهُمْ بِجَهَارِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلٍ أَخِيهِ ثُمَّ أَذْنَ مُؤَذِّنَ أَيَّتُهَا

يَعْمَلُونَ

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوْى إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخْوَكَ فَلَا تَبْتَغِسْ بِمَا كَانُوا

رکوء ۹

یہ لوگ یوسفؑ کے حضور پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس الگ بلا لیا اور اسے بتا دیا کہ ”میں تیرا وہی بھائی ہوں جو کھویا گیا تھا۔“ اب تو ان باتوں کا غم نہ کر جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔⁵⁵

جب یوسفؑ ان بھائیوں کا سامان لدوا نے لگا تو اس نے اپنے بھائی کے سامان میں اپنا پیالہ رکھ دیا۔ ⁵⁶ پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا ”اے قافلے والو، تم لوگ چور ہو۔⁵⁷“ انہوں نے پلٹ کر پوچھا ”تمہاری کیا چیز کھوئی گئی؟“ سرکاری ملازموں نے کہا ”بادشاہ کا پیمانہ ہم کو نہیں ملتا“ اور ان کے جمدادار نے کہا ”جو شخص لا کر دے گا اُس کے لیے ایک بارِ شتر انعام ہے، اس کا ذمہ میں لیتا ہوں۔“ ان بھائیوں نے کہا ”خدا کی قسم، تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں اور ہم چوریاں کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔“ انہوں نے کہا ”اچھا، اگر تمہاری بات جھوٹی نکلی تو چور کی کیا سزا ہے؟“ انہوں نے کہا ”اُس کی سزا؟ جس کے سامان میں سے یہ چیز نکلے وہ آپ ہی اپنی سزا میں رکھ لیا جائے، ہمارے ہاں تو ایسے طالبوں کو سزادی نہ کا یہی طریقہ ہے۔⁵⁸“ تب یوسفؑ نے اپنے بھائی سے پہلے ان کی خرجیوں کی تلاشی لینی شروع کی، پھر اپنے بھائی کی خربجی سے گم شدہ چیز برآمد کر لی۔۔۔۔۔ اس طرح ہم نے یوسفؑ کی تاسید اپنی تدبیر سے کی۔⁵⁹ اُس کا یہ کام نہ تھا کہ بادشاہ کے دین (یعنی مصر کے شاہی قانون) میں اپنے بھائی کو پکڑتا اسلامیہ کہ اللہ ہی ایسا چاہے۔⁶⁰ ہم جس کے درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں، اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحبِ علم سے بالاتر ہے۔

ان بھائیوں نے کہا ”یہ چوری کرے تو کچھ تجھ کی بات نہیں، اس سے پہلے اس کا بھائی یوسفؑ بھی چوری کر چکا ہے۔⁶¹“ یوسفؑ ان کی یہ بات سن کر پی گیا، حقیقت ان پر نہ کھولی، بس زیرِ لب اتنا کہہ

کر رہ گیا کہ ”بڑے ہی بڑے ہو تم لوگ، میرے منہ درمنہ مجھ پر جو الزام تم لگا رہے ہو اس کی حقیقت خدا خوب جانتا ہے۔“

انہوں نے کہا ”اے سردار ذی اقتدار عزیز ۶۲، اس کا باپ بہت بُڑھا آدمی ہے، اس کی جگہ آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے، ہم آپ کو بڑا ہی نیک نفس انسان پاتے ہیں۔“ یوسف ۶۳ نے کہا ”پناہ خدا، دُسرے کسی شخص کو ہم کیسے رکھ سکتے ہیں، جس کے پاس ہم نے اپنامال پایا ہے اُس کو چھوڑ کر دُسرے کو رکھیں گے تو ہم ظالم ہوں گے۔“

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 55

اس فقرے میں وہ ساری داستان سمیٹ دی گئی ہے جو اکیس بائیس برس کے بعد دونوں ماں جائے بھائیوں کے ملنے پر پیش آئی ہو گی، حضرت یوسف نے بتایا ہو گا کہ وہ کن حالات سے گزتے ہوئے اس مرتبے پر پہنچے، بن یمین نے سنا یا ہو گا کہ ان کے پیچھے سوتیلے بھائیوں نے اس کے ساتھ کیا کیا بد سلوکیاں کیں۔ پھر حضرت یوسف نے بھائی کو تسلی دی ہو گی کہ اب تم میرے پاس ہی رہو گے، ان ظالموں کے پنجے میں تم کو دوبارہ نہیں جانے دوں گا، بعد نہیں کہ اسی موقع پر دونوں بھائیوں میں یہ بھی طے ہو گیا ہو کہ بن یمین کو مصر میں روک رکھنے کے لیے کیا تدبیر کیا جائے جس سے وہ پرده بھی پڑا رہے جو حضرت یوسف مصلحت بھی ڈالے رکھنا چاہتے تھے۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 56

پیالہ رکھنے کا فعل غالباً حضرت یوسف نے اپنے بھائی کی رضا مندی سے اور اس کے علم میں کیا تھا جیسا کہ اس سے پہلے والی آیت اشارہ کر رہی ہے۔ حضرت یوسف اپنے مدتوں کے چھڑے ہوئے بھائی کو ان ظالم سوتیلے بھائیوں کے پنجے سے چھڑانا چاہتے ہوں گے، بھائی خود بھی ان ظالموں کے ساتھ واپس نہ جانا چاہتا

ہو گا، مگر علانية آپ کا اسے روکنا اور اس کا رک جانا بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ حضرت یوسف اپنی شخصیت کو ظاہر کرتے، اور اس کا اظہار اس موقع پر مصلحت کے خلاف تھا، اس لیے دونوں بھائیوں میں مشہور ہوا ہو گا کہ اسے روکنے کی یہ تدبیر کی جائے، اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے اس میں بھائی کی سبکی تھی، اس پر چوری کا دھبہ لگتا تھا، لیکن بعد میں یہ دھبہ اس طرح بآسانی دھل سکتا تھا کہ دونوں بھائی اصل معاملہ کو دنیا پر ظاہر کر دیں۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 57

اس آیت میں اور بعد والی آیات میں بھی کہیں ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ حضرت یوسف نے اپنے ملازموں کو اس راز میں شریک کیا تھا اور انہیں خود یہ سکھایا تھا کہ قافلے والوں پر جھوٹا الزام لگاؤ، واقعہ کی سادہ صورت جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ پیالہ خاموشی کے ساتھ رکھ دیا گیا ہو گا، بعد میں جب سرکاری ملازموں نے اسے نہ پایا ہو گا تو قیاس کیا ہو گا کہ ہونہ ہو یہ کام انہی قافلے والوں میں سے کسی کا ہے جو یہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 58

خیال رہے کہ یہ بھائی خاندان ابراہیمی کے افراد تھے لہذا انہوں نے چوری کے معاملہ میں جو قانون بیان کیا وہ شریعت ابراہیمی کا قانون تھا یعنی یہ کہ چور اس شخص کی غلامی میں دے دیا جائے جس کا مال اس نے چرا یا ہے۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 59

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اس پرے سلسلہ واقعات میں وہ کون سی تدبیر ہے جو حضرت یوسف کی تائید میں بر اہ راست خدا کی طرف سے کی گئی؟ ظاہر ہے کہ پیالہ رکھنے کی تدبیر جو حضرت یوسف نے خود کی تھی، یہ بھی ظاہر ہے کہ سرکاری ملازموں کا چوری کے شہبہ میں قافلے والوں کو روکنا بھی حسب معمول وہ

کام تھا جو ایسے موقع پر سب سرکاری ملازم کیا کرتے ہیں، پھر وہ خاص خدائی تدبیر کون سی ہے؟ اوپر کی آیات میں تلاش کرنے سے اس کے سوا کسی دوسری چیز کو اس کا مصدقہ نہیں ٹھہرایا جاسکتا کہ سرکاری ملازموں نے خلاف معمول خود مشتبہ ملزموں سے چور کی سزا پوچھی اور انہوں نے وہ سزا بتائی جو شریعت ابراہیمی کی رو سے چور کو دی جاتی تھی، اس کے دو فائدے ہوئے۔ ایک یہ کہ حضرت یوسف کو شریعت ابراہیمی پر عمل کا موقع مل گیا، دوسرایہ کہ بھائی کوحوالات میں بھینجنے کے بجائے اب وہ اسے اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 60 ▲

یعنی یہ بات حضرت یوسف کی شان پیغمبری کے شایاں نہ تھی کہ وہ اپنے ایک ذاتی معاملہ میں شاہ مصر کے قانون پر عمل کرتے، اپنے بھائی کو روک رکھنے کے لیے انہوں نے خود جو تدبیر کی تھی اس میں یہ خلل رہ گیا تھا کہ بھائی کو روکا تو ضرور جاسکتا تھا مگر شاہ مصر کے قانون تعزیرات سے کام لینا پڑتا، اور یہ اس پیغمبر کی شان کے مطابق نہ تھا جس نے اختیارات حکومت غیر اسلامی قوانین کی جگہ اسلامی شریعت فائز کرنے کے لیے اپنے ہاتھ میں لیے تھے، اگر اللہ چاہتا تو اپنے نبی کو اس بد نما غلطی میں مبتلا ہو جانے دیتا، مگر اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ یہ دھبہ اس کے دامن پر رہ جائے، اس لیے اس نے براہ راست اپنی تدبیر سے یہ راہ نکال دی کہ اتفاقاً برادران یوسف سے چور کی سزا پوچھ لی گئی اور انہوں نے اس کے لیے شریعت ابراہیمی کا قانون بیان کر دیا، یہ چیز اس لحاظ سے بالکل بر محل تھی کہ برادران یوسف مصری رعایانہ تھے، ایک آزاد علاقے سے آئے ہوئے لوگ تھے، لہذا اگر وہ خود اپنے ہاں کے دستور کے مطابق اپنے آدمی کو اس شخص کی غلامی میں دینے کے لیے تیار تھے جس کامال اس نے چرایا تھا، تو پھر مصری قانون تعزیرات سے اس معاملہ میں مدد لینے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی، یہی وہ چیز ہے جس کو بعد کی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان اور اپنی

علمی برتری سے تعبیر فرمایا ہے، ایک بندے کے لیے اس سے بڑھ کر بلندی درجہ اور کیا ہو سکتی ہے، اگر وہ کبھی بشری کمزوری کی بنا پر خود کسی لغزش میں مبتلا ہو رہا ہو تو اللہ تعالیٰ غیب سے اس کو بچانے کا انتظام فرمادے۔ ایسا بلند مرتبہ صرف انہی لوگوں کو ملا کرتا ہے جو اپنی سعی و عمل سے بڑی بڑی آزمائشوں میں اپنا "محسن" ہونا ثابت کر چکے ہوتے ہیں، اور اگرچہ حضرت یوسف صاحب علم تھے خود بہت دانشمندی کے ساتھ کام کرتے تھے، مگر پھر بھی اس موقع پر ان کے علم میں ایک کسر رہ ہی گئی اور اسے اس ہستی نے پورا کیا جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔

یہاں چند امور اور وضاحت طلب رہ جاتے ہیں جن پر ہم مختصر کلام کریں گے:

(۱) عام طور پر اس آیت کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ "یوسف بادشاہ کے قانون کی رو سے اپنے بھائی کو نہ کپڑہ سکتا تھا"۔ یعنی مَا كَانَ لِيَأْخُذَ كَوْمَتْرِ جَمِينَ وَمُفْسِرِينَ عَدْمِ قَدْرَتِكَمْ کے معنی میں لیتے ہیں نہ کہ عدم صحت اور عدم مناسبت کے معنی میں، لیکن اول تو یہ ترجمہ و تفسیر عربی محاورے اور قرآنی استعمالات دونوں کے لحاظ سے ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ عربی میں عموماً مَا كَانَ لَهُ بَعْنَى مَا يَنْبَغِي لَهُ، مَا صَحَّ لَهُ، مَا اسْتَقَامَ لَهُ، وَغَيْرَه آتا ہے اور قرآن میں بھی یہ زیادہ تر اسی معنی میں آیا ہے۔ مثلاً (آیت) مَا كَانَ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلِدٍ - مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ - مَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ - مَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيِّعَ إِيمَانَكُمْ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ - مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا آنْتُمْ عَلَيْهِ - مَا كَانَ لِمُعْوِمِنِ أَنْ يَقْتُلَ مُعْوِمَنًا۔ دوسرے اگر اس کے وہ معنی لیے جائیں جو مترجمین و مفسرین بالعموم بیان کرتے ہیں تو بات بالکل مہمل ہو جاتی ہے، بادشاہ کے قانون میں چور کو نہ کپڑہ

سکنے کی آخر وجوہ کیا ہو سکتی ہے؟ کیا دنیا میں کبھی کوئی سلطنت ایسی بھی رہی ہے جس کا قانون چور کو گرفتار کرنے کی اجازت نہ دیتا ہو؟

(۲) اللہ تعالیٰ نے شاہی قانون کے لیے "دین الملک" کا لفظ استعمال کر کے خود اس مطلب کی طرف اشارہ فرمادیا ہے جو ماکان لیا خذ سے لیا جانا چاہیے، ظاہر ہے کہ اللہ کا پیغمبر زمین میں "دین اللہ" جاری کرنے کے لیے مبعوث ہوا تھا نہ کہ "دین الملک" جاری کرنے کے لیے، اگر حالات کی مجبوری سے اس کی حکومت میں اس وقت تک پوری طرح دین الملک کی جگہ دین اللہ جاری نہ ہو سکا تھا تب بھی کم از کم پیغمبر کا اپنا کام تو یہ نہ تھا کہ اپنے ایک شخصی معاملہ میں دین الملک پر عمل کرے۔ لہذا حضرت یوسف کا دین الملک کے مطابق اپنے بھائی کونہ پکڑنا اس بنا پر نہیں تھا کہ دین الملک میں ایسا کرنے کی گنجائش نہ تھی بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اپنی ذاتی حد تک دین اللہ پر عمل کرنا ان کا فرض تھا اور دین الملک کی پیروی ان کے لیے قطعاً مناسب تھی۔

(۳) قانون ملکی (Law of the Land) کے لیے لفظ "دین" استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے معنی دین کی وسعت پوری طرح واضح کر دی ہے، اس سے ان لوگوں کے تصور دین کی جڑکٹ جاتی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو صرف عام مذہبی معنوں میں خداۓ واحد کی پوجا کرانے اور محض چند مذہبی مراسم و عقائد کی پابندی کرا لینے تک محدود سمجھتے ہیں، اور یہ خیال کرتے ہیں کہ انسانی تمدن، سیاست، معیشت، عدالت، قانون اور ایسے ہی دوسرے دنیوی امور کا کوئی تعلق دین سے نہیں ہے، یا اگر ہے بھی تو ان امور کے بارے میں دین کی ہدایات محض اختیاری سفارشات ہیں جن پر اگر عمل ہو جائے تو اچھا ہے ورنہ انسانوں کو اپنے بنائے ہوئے اصول و ضوابط قبول کر لینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، یہ سراسر گمراہانہ تصور دین، جس کا ایک مدت سے مسلمانوں میں چرچا ہے جو بہت بڑی حد تک مسلمانوں کو اسلامی نظام زندگی کے

قیام کی سعی سے غافل کرنے کا ذمہ دار ہے جس کی بدولت مسلمان کفر و جاہلیت کے نظام زندگی پر نہ صرف راضی ہوئے بلکہ ایک نبی کی سنت سمجھ کر اس نظام کے پرزاے بننے اور اس کو خود چلانے کے لیے بھی آمادہ ہو گئے، اس آیت کی رو سے قطعاً غلط ثابت ہوتا ہے، یہاں اللہ تعالیٰ صاف بتا رہا ہے کہ جس طرح نماز، روزہ اور حج دین ہے اسی طرح وہ قانون بھی دین ہے جس پر سوسائٹی کا نظام اور ملک کا انتظام چلا یا جاتا ہے۔ لہذا

إِنَّ الِّدِينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ اُوْرَ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ فَإِنَّا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ، وَغَيْرِهِ

آیات میں جس دین کی اطاعت کا مطالبہ کیا گیا ہے اس سے مراد صرف نماز، روزہ ہی نہیں بلکہ اسلام کا اجتماعی نظام بھی ہے جس سے ہٹ کر کسی دوسرے نظام کی پیروی خدا کے ہاں ہرگز مقبول نہیں ہو سکتی۔

(۲) سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک مصر کی حکومت میں "دین الملک" ہی جاری تھا، اب اگر اس حکومت کے حاکم اعلیٰ حضرت یوسف ہی تھے، جیسا کہ تم خود پہلے ثابت کر چکے ہو، تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت یوسف خدا کے پیغمبر، خود اپنے ہاتھوں سے ملک میں "دین الملک" جاری کر رہے تھے، اس کے بعد اگر اپنے ذاتی معاملہ میں حضرت یوسف نے "دین الملک" کے بجائے شریعت ابراہیمی پر عمل کیا بھی تو اس سے فرق کیا واقع ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف مور تو دین اللہ جاری کرنے ہی پر تھے اور یہی ان کا پیغمبرانہ مشن اور ان کی حکومت کا مقصد تھا، مگر ایک ملک کا نظام عملًا ایک دن کے اندر نہیں بدل جایا کرتا، آج اگر کوئی بالکلیہ ہمارے اختیار میں ہو اور ہم اس میں اسلامی نظام قائم کرنے کی خالص نیت ہی سے اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیں، تب بھی اس کے نظام تھدن، نظام معاشری، نظام سیاست اور نظام عدالت و قانون کو بالفعل بدلتے بدلتے بر سوں لگ جائیں گے اور کچھ مدت تک ہم کو اپنے انتظام میں بھی سابق قوانین برقرار رکھنے پڑیں گے، کیا تاریخ اس بات پر شاہد نہیں ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عرب کے نظام زندگی میں پورا اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے نو

دس سال لگے تھے؟ اس دوران میں خاتم النبیین کی اپنی حکومت میں چند سال شراب نوشی ہوتی رہی، سود لیا اور دیا جاتا رہا، جاہلیت کا قانون میراث جاری رہا، پرانے قوانین نکاح و طلاق برقرار رہے، بیوی فاسدہ کی بہت سی صورتیں عمل میں آتی رہیں، اور اسلامی قوانین دیوانی فوجداری بھی اول روز ہی تمام و کمال نافذ نہیں ہو گئے، پس اگر حضرت یوسف کی حکومت میں ابتدائی آٹھ نو سال تک سابق مصری بادشاہت کے کچھ قوانین چلتے رہے ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے اور اس سے یہ دلیل کیسے نکل آتی ہے کہ خدا کا پیغمبر مصر میں خدا کے دین کو نہیں بلکہ بادشاہ کے دین کو جاری کرنے پر مامور تھا۔ رہی یہ بات کہ جب ملک میں دین الملک جاری تھا، تو آخر حضرت یوسف کی اپنی ذات کے لیے اس پر عمل کرنا کیوں شایان شان نہ تھا، تو یہ سوال بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر غور کرنے سے بآسانی حل ہو جاتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے ابتدائی دور میں جب تک قوانین اسلامی جاری نہ ہوئے تھے، لوگ پرانے طریقے کے مطابق شراب پیتے رہے، مگر کیا حضور نے بھی پی؟ لوگ سود لیتے دیتے تھے، مگر کیا آپ نے بھی سودی لیں دین کیا؟ لوگ متعہ کرتے رہے اور جمع بین الاختین کرتے رہے، مگر کیا حضور نے بھی ایسا کیا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داعی اسلامی کا عملی مجبوریوں کی بنابر احکام اسلامی کے اجراء میں تدریج سے کام لینا اور چیز ہے اور اس کا خود اس تدریج کے دور میں جاہلیت کے طریقوں پر عمل کرنا اور چیز، تدریج کی رخصتیں دوسروں کے لیے ہیں، داعی کا اپنا یہ کام نہیں ہے کہ خود ان طریقوں میں سے کسی پر عمل کرے جن کے مٹانے پر وہ مامور ہوا ہے۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 61

یہ انہوں نے اپنی خفت مٹانے کے لیے کہا، پہلے کہہ چکے تھے کہ ہم لوگ چور نہیں ہیں، اب جو دیکھا کہ مال ہمارے بھائی کی خرچی سے برآمد ہو گیا ہے تو فوراً ایک جھوٹی بات بنا کر اپنے آپ کو اس بھائی سے الگ کر لیا

اور اس کے ساتھ اس پہلے بھائی کو بھی لپیٹ لیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت یوسف کے پیچھے بن یکین کے ساتھ ان بھائیوں کا کیا سلوک رہا ہو گا اور کس بنا پر اس کی اور حضرت یوسف کی یہ خواہش ہو گی کہ وہ ان کے ساتھ نہ جائے۔

▲ 62 سورہ یوسف حاشیہ نمبر:

یہاں لفظ "عزیز" حضرت یوسف کے لیے جو استعمال ہوا ہے صرف اس کی بنابر مفسرین نے قیاس کر لیا کہ حضرت یوسف اسی منصب پر مامور ہوئے تھے جس پر اس سے پہلے زلیخا کا شوہر مامور تھا پھر اس پر مزید قیاسات کی عمارت کھڑی کر لی گئی کہ سابق عزیز مر گیا تھا، حضرت یوسف اس کی جگہ مقرر کیے گئے، زلیخا از سر نو مجزرے کے ذریعہ سے جوان کی گئی، اور شاہ مصر نے اس سے حضرت یوسف کا نکاح کر دیا۔ حد یہ ہے کہ شب عروضی میں حضرت یوسف اور زلیخا کے درمیان جواباتیں ہوئیں وہ تک کسی ذریعہ سے ہمارے مفسرین کو پہنچ گئیں۔ حالانکہ یہ سب باتیں سراسر وہم ہیں، لفظ "عزیز" کے متعلق ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ یہ مصر میں کسی خاص منصب کا نام نہ تھا بلکہ محض "صاحب اقتدار" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ غالباً مصر میں بڑے لوگوں کے لیے اس طرح کا کوئی لفظ اصطلاحاً راجح تھا جیسے ہمارے ملک میں لفظ "سرکار" بولا جاتا ہے، اسی کا ترجمہ قرآن میں "عزیز" کیا گیا ہے۔ رہاز لیخا سے حضرت یوسف کا نکاح، تو اس افسانے کی بنیاد صرف یہ ہے کہ باکیبل اور تلمود میں فوطیفرع کی بیٹی آسنا تھی سے ان کے نکاح کی روایت بیان کی گئی ہے۔ اور زلیخا کے شوہر کا نام فوطیفار تھا، یہ چیزیں اسرائیلی روایات سے نقل در نقل ہوتی ہوئی مفسرین تک پہنچیں اور جیسا کہ زبانی افواہوں کا قاعدہ ہے، فوطیفرع بآسانی فوطیفار بن گیا، بیٹی کی جگہ بیوی کو مل گئی اور بیوی لا محالہ زلیخا ہی تھی، لہذا اس سے حضرت یوسف کا نکاح کرنے کے لیے فوطیفار کو مار دیا گیا، اور اس طرح "یوسف زلیخا" کی تصنیف مکمل ہو گئی۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 63 ▲

احتیاط ملاحظہ ہو کہ "چور" نہیں کہتے بلکہ صرف یہ کہتے ہیں کہ "جس کے پاس ہم نے اپنا مال مایا ہے" اسی کو اصطلاح شرع میں "توریہ" کہتے ہیں، یعنی حقیقت پر پردہ ڈالنا، یا امر واقعہ کو چھپانا، جب کسی مظلوم کو ظالم سے بچانے یا کسی بڑے مظملہ کو دفع کرنے کی کوئی صورت اس کے سوانہ ہو کہ کچھ خلاف واقعہ بات کہی جائے یا کوئی خلاف حقیقت حیلہ کیا جائے، تو ایسی صورت میں ایک پرہیز گار آدمی صریح جھوٹ بولنے سے احتراز کرتے ہوئے ایسی بات کہنے یا ایسی تدبیر کرنے کی کوشش کرے گا، جس سے حقیقت کو چھپا کر بدی کو دفع کیا جاسکے۔ ایسا کرنا شرع و اخلاق میں جائز ہے بشرطیکہ مخف کام نکالنے کے لیے ایسا نہ کیا جائے بلکہ کسی بڑی برائی کو دور کرنا ہو، اب دیکھیے کہ اس سارے معاملہ میں حضرت یوسف نے کس طرح جائز توریہ کی شرائط پوری کی ہیں۔ بھائی کی رضامندی سے اس کے سامان میں پیالہ رکھ دیا مگر ملازموں سے یہ نہیں کہ اس پر چوری کا الزام لگاؤ، پھر جب سرکاری ملازم چوری کے الزام میں ان لوگوں کو پکڑ لائے تو خاموشی کے ساتھ اٹھ کر تلاشی لے لی، پھر اب جوان بھائیوں نے کہا کہ بن یکین کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیے، تو اس کے جواب میں بھی بس انہی کی بات ان پر الٹ دی کہ تمہارا اپنا فتویٰ یہ تھا کہ جس کے سامان میں سے تمہارا مال نکلے وہی رکھ لیا جائے، سواب تمہارے سامنے بن یکین کے سامان میں سے ہمارا مال نکلا ہے اور اسی کو ہم رکھ لیتے ہیں، دوسرے کو اس کی جگہ کیسے رکھ سکتے ہیں؟ اس قسم کے توریہ کی مثالیں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں بھی ملتی ہیں اور کسی دلیل سے بھی اس کو اخلاقاً معتبر نہیں کہا جاسکتا۔

فَلَمَّا اسْتَيْسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَحِيًّا ۖ قَالَ كَيْرُوهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخْذَ
 عَلَيْكُمْ مَوْتَقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلِ مَا فَرَطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ فَلَمَّا أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي
 أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِيٌ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الْحَكِيمِينَ ۝ إِذْ جِعْوَا إِلَيْهِ أَبِيهِمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ أَبَنَكَ
 سَرَقَ ۚ وَمَا شَهَدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِغَيْبٍ حَفِظِينَ ۝ وَسُئِلَ الْقَرِيَةَ الَّتِي كُنَّا
 فِيهَا وَالْعِيْرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ قَالَ بَلْ سَوْلَتْ نَكْمُ أَنْفُسُكُمْ
 أَمْرًا ۖ فَصَبَرُّ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۖ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ وَتَوَلَّ
 عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفِي عَلِيٌّ يُوسُفَ وَابْيَضَتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ قَالُوا تَالَّهِ
 تَفْتَوْا تَذَكُّرُ يُوسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَلِكِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا آشْكُوا
 بَشِّيٍّ وَحُزْنِي إِلَيَّ اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ يَبْنِي أَذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ
 وَأَخِيهِ وَلَا تَأْيَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يَأْيَسُ مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكُفَّارُونَ ۝
 فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجَعَنَا بِضَاعَةٍ مُّزْجِيَّةٍ
 فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقَ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ يَجِزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا
 فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذَا نَتْمُ جَهِلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَ

هَذَا آخِنُّ قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصِيرُ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيغُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ
 ۚ قَالُوا تَالِلَهِ لَقَدْ أَثْرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَطِيْبِينَ ۖ ۗ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمْ
 الْيَوْمَ ۖ يَعْفُرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ۖ ۗ إِذْهَبُوا بِقَمِيْصِيْ هَذَا فَالْقُوْدُ عَلَى
 وَجْهِهِ أَبِي يَاءِتِ بَصِيرًاً ۖ وَأَتُؤْنِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ۖ ۗ

رکو ۶

جب وہ یوسف سے مایوس ہو گئے تو ایک گوشے میں جا کر آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ ان میں جو سب سے بڑا تھا وہ بولا ”تم جانتے نہیں ہو کہ تمہارے والد تم سے خدا کے نام پر عہد و پیمان لے چکے ہیں؟ اور اس سے پہلے یوسف کے معاملہ میں جوزیا دتی تم کر چکے ہو وہ بھی تم کو معلوم ہے۔ اب میں تو یہاں سے ہر گز نہ جاؤں گا جب تک کہ میرے والد مجھے اجازت نہ دیں، یا پھر اللہ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ فرمادے کہ وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم جا کر اپنے والد سے کہو کہ ”ابا جان، آپ کے صاحزادے نے چوری کی ہے، ہم نے اُسے چوری کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جو کچھ ہمیں معلوم ہوا ہے بس وہی ہم بیان کر رہے ہیں، اور غیب کی نگہبانی تو ہم نہ کر سکتے تھے۔ آپ اُس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیجیے جہاں ہم تھے۔ اُس قافلے سے دریافت کر لیجیے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں۔ ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔“

بپ نے یہ داستان سن کر کہا ” دراصل تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک اور بڑی بات کو سہل بنا دیا۔ **64** اچھا، اس پر بھی صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا۔ کیا بعید ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لاملائے، وہ سب کچھ جانتا ہے اور اُس کے سب کام حکمت پر مبنی ہیں۔“ پھر وہ اُن کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گیا اور

کہنے لگا کہ ”ہائے یوسف!“۔۔۔ وہ دل ہی دل میں غم سے گھٹا جا رہا تھا اور اُس کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں۔۔۔ بیٹوں نے کہا ”خدارا! آپ تو بس یوسف ہی کو یاد کیے جاتے ہیں۔ نوبت یہ آگئی ہے کہ اس کے غم میں اپنے آپ کو گھلادیں گے یا اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے۔“ اُس نے کہا ”میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا، اور اللہ سے جیسا میں واقف ہوں تم نہیں ہو۔ میرے بچو، جا کر یوسف اور اُس کے بھائی کی کچھ ٹوہ لگاؤ، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اُس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔“

جب یہ لوگ مصر جا کر یوسفؐ کی پیشی میں داخل ہوئے تو انہوں نے عرض کیا ”اے سردار با اقتدار، ہم اور ہمارے اہل و عیال سخت مصیبت میں بُنتلا ہیں، اور ہم کچھ حقیر سی پُونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں بھرپور غلہ عنایت فرمائیں اور ہم کو خیرات دیں⁶⁵، اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔“ یہ سن کر یوسفؐ سے رہانہ گیا^{۶۶} اُس نے کہا ”تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یوسفؐ اور اُس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب کہ تم نادان تھے؟“ وہ چونک کر بولے ”ہائیں! کیا تم یوسفؐ ہو؟“ اُس نے کہا ”ہاں، میں یوسفؐ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ کے ہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر مارا نہیں جاتا۔“ انہوں نے کہا ”بندا کہ تم کو اللہ نے ہم پر فضیلت بخشی اور واقعی ہم خطا کا رتھے۔“ اس نے جواب دیا ”آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔ جاؤ، میرا یہ قمیص لے جاؤ اور میرے والد کے منہ پر ڈال دو، اُن کی پینائی پلٹ آئے گی، اور اپنے سب اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ۔“ ^{۶۷}

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 64 ▲

یعنی تمہارے نزدیک یہ باور کر لینا بہت آسان ہے کہ میرا بیٹا جس کے حسن سیرت سے میں خوب واقف ہوں ایک پیالے کی چوری کام رکب ہو سکتا ہے۔ پہلے تمہارے لیے اپنے ایک بھائی کو جان بوجھ کر گم کر دینا اور اس کے قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لے آنا بہت آسان کام ہو گیا تھا۔ اب ایک دوسرے بھائی کو واقعی چور مان لینا اور مجھے آکر اس کی خبر دینا بھی ویسا ہی آسان ہو گیا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 65 ▲

یعنی ہماری اس گزارش پر جو کچھ آپ دیں گے وہ گویا آپ کا صدقہ ہو گا۔ اس غلے کی قیمت میں جو پونچی ہم پیش کر رہے ہیں وہ تو پیشک اس لاکن نہیں ہے کہ ہم کو اس قدر غلہ دیا جائے جو ہماری ضرورت کو کافی ہو۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِدْرَ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَا جُدُرٍ يَحْ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفْنِدُونَ ﴿٣﴾ قَالُوا تَأْلِهٌ إِنَّكَ
 لَفِي ضَلَالٍ كَالْقَدِيمِ ﴿٤﴾ فَلَمَّا آتَنَاهُ الْبَشِيرُ الْقُبْحَةَ عَلَى وَجْهِهِ فَارْتَدَ بِصَيْرًا قَالَ الَّهُ
 أَقْلُنْ كُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٥﴾ قَالُوا يَا بَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا
 كُنَّا خَطِئِينَ ﴿٦﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٧﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا
 عَلَى يُوسُفَ أَوْى إِلَيْهِ أَبَوِيهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَمْنِينَ ﴿٨﴾ وَرَفَعَ أَبَوِيهِ عَلَى
 الْعَرْشِ وَخَرَّوْهُ إِلَيْهِ سُجَّدًا وَقَالَ يَا بَنِي هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَ
 قَدْ أَحْسَنَ بِي إِذَا خَرَجْنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَنُ
 بِيِّنِي وَبَيْنَ إِخْرَقِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ رَبِّي قَدْ أَتَيْتَنِي
 مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطَّرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ أَنْتَ وَلِيٌّ فِي
 الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَكْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿١٠﴾ ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ
 نُوحِيَهُ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذَا جَمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿١١﴾ وَمَا أَكْثَرُ
 النَّاسِ وَلَوْ حَرَضْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٢﴾ وَمَا تَسْعَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ

دکو٤ ॥

جب یہ قافلہ ﴿مصر سے﴾ روانہ ہوا تو ان کے باپ نے ﴿کنعان میں﴾ کہا ”میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، **۶۶** تم لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ میں بڑھا پے میں سٹھایا گیا ہوں۔“ گھر کے لوگ بولے ”خدا کی قسم آپ ابھی تک اپنے اسی پُرانے خط میں پڑے ہوئے ہیں۔**۶۷**“

پھر جب خوشخبری لانے والا آیا تو اس نے یوسفؑ کا قمیص یعقوبؑ کے منه پر ڈال دیا اور یک ایک اس کی بینائی عود کر آئی۔ تب اس نے کہا ”میں تم سے کہتا نہ تھا؟ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“ سب بول اُٹھے ”ابا جان، آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا کریں، واقعی ہم خطا کار تھے۔“ اس نے کہا ”میں اپنے رب سے تمہارے لیے معافی کی درخواست کر دوں گا، وہ بڑا معاف فرمانے والا اور حیم ہے۔“

پھر جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے **۶۸** تو اس نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ بھالیا **۶۹** اور ﴿اپنے سب کنبے والوں سے کہا﴾ ”چلو، اب شہر میں چلو، اللہ نے چاہاتو امن چین سے رہو گے۔“

﴿شہر میں داخل ہونے کے بعد﴾ اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر اپنے پاس تخت پر بھایا اور سب اس کے آگے بے اختیار سجدے میں جھک گئے۔ **۷۰** یوسفؑ نے کہا ”ابا جان، یہ تعبیر ہے میرے اُس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا، میرے رب نے اسے حقیقت بنادیا۔ اس کا احسان ہے کہ اُس نے مجھے قید خانے سے نکالا، اور آپ لوگوں کو صحراء سے لا کر مجھ سے ملایا حالانکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیت پوری کرتا ہے، بے شک وہ

علیم اور حکیم ہے۔ اے میرے رب، تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھے باقوں کی تھہ تک پہنچنا سکھایا۔ زمین و آسمان کے بنانے والے، تو ہی دُنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے، میرا خاتمه اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔⁷¹

اے محمد، یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تم پر وحی کر رہے ہیں ورنہ تم اس وقت موجود نہ تھے جب یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں اتفاق کر کے سازش کی تھی۔ مگر تم خواہ کتنا ہی چاہو ان میں سے اکثر لوگ مان کر دینے والے نہیں ہیں۔⁷² حالانکہ تم اس خدمت پر ان سے کوئی اجرت بھی نہیں مانگتے ہو۔ یہ تو ایک نصیحت ہے جو دنیا والوں کے لیے عام ہے۔⁷³

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 66 ▲

اس سے انبیاء علیہم السلام کی غیر معمولی قوتوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی قافلہ حضرت یوسف کا قمیص لیکر مصر سے چلا ہے اور ادھر سیکڑوں میل کے فاصلے پر حضرت یعقوب اس کی مہک پالیتے ہیں، مگر اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی یہ قوتیں کچھ ان کی ذاتی نہ تھیں بلکہ اللہ کی بخشش سے ان کو ملی تھیں اور اللہ جب اور جس قدر چاہتا تھا انہیں کام کرنے کا موقع دیتا تھا۔ حضرت یوسف برسوں مصر میں موجود رہے اور کبھی حضرت یعقوب کو ان کی خوشبو نہ آئی۔ مگر اب یکاں کوت ادراک کی تیزی کا یہ عالم ہو گیا کہ ابھی ان کا قمیص مصر سے چلا ہے اور وہاں ان کی مہک آنی شروع ہو گئی۔

یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ ایک طرف قرآن حضرت یعقوبؑ کو اس پیغمبرانہ شان کے ساتھ پیش کر رہا ہے، اور دوسری طرف بنی اسرائیل ان کو ایسے رنگ میں دکھاتے ہیں جیسا عرب کا ہر معمولی بد ہو سکتا ہے، بائیبل کا بیان ہے کہ جب بیٹوں نے آکر خبر دی کہ یوسف اب تک جیتا ہے اور وہی سارے ملک مصر کا حاکم ہے تو یعقوب کا دل دھک سے رہ گیا کیونکہ اس نے ان کا یقین نہ کیا، اور جب ان کے باپ یعقوب

نے وہ گاڑیاں دیکھ لیں جو یوسف نے ان کو لانے کے لیے بھیجی تھیں تب اس کی جان میں جان آئی،
پیدائش: ۲۵۔۲۶۔۲۷

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 67 ▲

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے خاندان میں حضرت یوسف کے سوا کوئی اپنے باپ کا قدر شناس نہ تھا اور حضرت یعقوب خود بھی ان لوگوں کی ذہنی و اخلاقی پستی سے مایوس تھے، گھر کے چراغ کی روشنی باہر پھیل رہی تھی، مگر خود گھر والے اندھیرے میں تھے اور ان کی نگاہ میں وہ ایک ٹھیکرے سے زیادہ کچھ نہ تھا، فطرت کی اس ستم طریقی سے تاریخ کی اکثر ویشتربڑی شخصیتوں کو سابقہ پیش آیا ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 68 ▲

بائبل کا بیان ہے کہ سب افراد خاندان جو اس موقع پر مصر گئے ۶۷ تھے۔ اس تعداد میں دوسرے گھر انوں کی ان لڑکیوں کو شمار نہیں کیا گیا ہے جو حضرت یعقوب کے ہاں بیا ہی ہوئی آئی تھیں، اس وقت حضرت یعقوب کی عمر ۱۳۰ سال تھی اور اس کے بعد وہ مصر میں ۷ سال زندہ رہے۔

اس موقع پر ایک طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جب مصر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسفؐ سمیت ان کی تعداد ۶۸ تھے، اور جب تقریباً ۵ سو سال کے بعد وہ مصر سے نکلے تو وہ لاکھوں کی تعداد میں تھے، بائبل کی روایت ہے کہ خروج کے بعد دوسرے سال بیابان سینا میں حضرت موسیؐ نے ان کی جو مردم شماری کرائی تھی اس میں صرف قابل جنگ مردوں کی تعداد ۶۰۳۵۵۰ تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت، مرد، بچے سب ملا کروہ کم از کم ۲۰ لاکھ ہوں گے۔ کیا کسی حساب سے پانچ سو سال میں ۶۸ آدمیوں کی اتنی اولاد ہو سکتی ہے؟ مصر کی کل آبادی اگر اس زمانے میں ۲ کروڑ فرض کی جائے (جو یقیناً بہت مبالغہ آمیز اندازہ ہو گا) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف بنی اسرائیل وہاں ۱۰۰ فیصد تھے، کیا ایک خاندان محض تناسل کے ذریعہ ستے اتنا بڑھ سکتا ہے، اس سوال پر غور کرنے سے ایک اہم حقیقت کا اکشاف ہوتا

ہے، ظاہر بات ہے کہ ۵ سو برس میں ایک خاندان تو اتنا نہیں بڑھ سکتا، لیکن بنی اسرائیل پیغمبروں کی اولاد تھے، ان کے لیڈر حضرت یوسفؑ جن کی بدولت مصر میں ان کے قدم جمی، خود پیغمبر تھے، ان کے بعد چار پانچ صدی تک ملک کا اقتدار انہی لوگوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس دوران میں یقیناً انہوں نے مصر میں اسلام کی خوب تبلیغ کی ہو گئی، اہل مصر میں سے جو لوگ اسلام لائے ہوں گے ان کا مذہب ہب ہی نہیں بلکہ ان کا تمدن اور پورا طریق زندگی غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے ہم رنگ ہو گیا ہو گا۔ مصریوں نے ان سب کو اسی طرح اجنبی ٹھہرایا ہوا جس طرح ہندوستان میں ہندوؤں نے ہندوستانی مسلمانوں کو ٹھہرایا، ان کے اوپر اسرائیلی کا لفظ اسی طرح چسپاں کر دیا گیا ہوا، جس طرح غیر عرب مسلمانوں پر "محمدن" کا لفظ آج چسپاں کیا جاتا ہے، اور وہ خود بھی دینی و تہذیبی روابط اور شادی بیاہ کے تعلقات کی وجہ سے غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے والبستہ ہو کر رہ گئے ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ جب مصر میں قوم پرستی کا طوفان اٹھا تو مظالم صرف بنی اسرائیل ہی پر نہیں ہوئے بلکہ مصری مسلمان بھی ان کے ساتھ یکساں لپیٹ لیے گئے، اور جب بنی اسرائیل نے ملک چھوڑا تو مصری مسلمان بھی ان کے ساتھ ہی نکلے اور ان سب کا شمار اسرائیلیوں ہی میں ہونے لگا۔

ہمارے اس قیاس کی تائید بائیبل کے متعدد اشارات سے ہوتی ہے، مثال کے طور پر "خروج" میں جہاں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کا حال بیان ہوا ہے، بائیبل کا مصنف کہتا ہے کہ ان کے ساتھ ایک ملی جلی گروہ بھی گئی، (۱۲-۳۸) اسی طرح گنتی میں وہ پھر کہتا ہے کہ جو ملی جلی بھیڑ ان لوگوں میں تھی وہ طرح طرح کی حرص کرنے لگی (۱۱-۳) پھر بتدریج ان غیر اسرائیلی مسلمانوں کے لیے اجنبی اور پر دیسی کی اصطلاحیں استعمال ہونے لگیں، چنانچہ توراة میں حضرت موسیٰ کو جو احکام دیے گئے ان میں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے ":

”تمہارے لیے اور اس پر دلیسی کے لیے جو تم میں رہتا ہے نسل در نسل سدا ایک ہی آئین رہے گا، خداوند کے آگے پر دلیسی بھی ویسے ہی ہوں جیسے تم ہو، تمہارے لیے اور پر دلیسیوں کے لیے جو تمہارے ساتھ رہتے ہیں ایک ہی شرع اور ایک ہی قانون ہو (گنتی ۱۵-۱۶)

”جو شخص بے باک ہو کر گناہ کرے خواہ وہ دلیسی ہو یا پر دلیسی وہ خداوند کی اہانت کرتا ہے، وہ شخص اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے گا“ - (گنتی ۳۰-۱۵)

”خواہ بھائی بھائی کا معاملہ ہو یا پر دلیسی کا، تم ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کرنا“ (اثناء، ۱-۱۶)
اب یہ تحقیق کرنا مشکل ہے کہ کتاب الہی میں غیر اسرائیلیوں کے لیے وہ اصل لفظ کیا استعمال کیا گیا تھا جسے مترجموں نے ”پر دلیسی“ بنایا کر رکھ دیا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 69 ▲

تلמוד لکھا ہے جب حضرت یعقوب کی آمد کی خبر دار السلطنت میں پہنچی تو حضرت یوسف سلطنت کے بڑے بڑے امراء و اہل مناسب اور فوج فراء کو لیکر ان کے استقبال کے لیے نکلے اور پورے تزک و احتشام کے ساتھ ان کو شہر میں لائے، وہ دن وہاں جشن کا دن تھا، عورت، مرد، بچے سب اس جلوس کو دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے، اور سارے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 70 ▲

اس لفظ ”سجدہ“ سے بکثرت لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے، حتیٰ کہ ایک گروہ نے تو اسی سے استدلال کر کے بادشاہوں اور پیروں کے لیے سجدہ تجیہ اور سجدہ تقطیعی کا جواز نکال لیا، دوسرے لوگوں کو اس قباحت سے بچنے کے لیے اس کی یہ توجیہ کرنی پڑی کہ اگلی شریعتوں میں صرف سجدہ غیر اللہ کے لیے حرام تھا، باقی رہا وہ سجدہ جو عبادت کے جذبہ سے خالی ہو تو وہ خدا کے سواد و سروں کو بھی کیا جا سکتا تھا، البتہ شریعت محمدی میں ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لیے حرام کر دیا گیا، لیکن ساری غلط فہمیاں دراصل اس وجہ سے پیدا ہوئی ہیں کہ

لفظ "سجدہ" کو موجودہ اسلامی اصطلاح کا ہم معنی سمجھ لیا گیا، یعنی ہاتھ، گھٹنے اور پیشانی زمین پر ٹکانا، حالانکہ سجدہ کے اصل معنی محض جھکنے کے ہیں اور یہاں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے، قدیم تہذیب میں یہ عام طریقہ تھا (اور آج بھی بعض ملکوں میں اس کاررواج ہے) کہ کسی کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے، یا کسی کا استقبال کرنے کے لیے، یا محض سلام کرنے کے لیے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی حد تک آگے کی طرف جھکتے تھے، اسی جھکاؤ کے لیے عربی میں سجود اور انگریزی میں (Bow) کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، بائیبل میں اس کی بکثرت مثالیں ہم کو ملتی ہیں کہ قدیم زمانے میں یہ طریقہ آداب تہذیب میں شامل تھا، چنانچہ حضرت ابراہیم کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے خیمه کی طرف تین آدمیوں کو آتے دیکھا تو وہ ان کے استقبال کے لیے دوڑے اور زمین تک جھکے۔ عربی بائیبل میں اس موقع پر جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں: فلما نظر رکض لا ستقبا هم من باب الخيمة و سجد على الارض۔

(تکوین: ۱۸-۳) پھر جس موقع پر یہ ذکر آتا ہے کہ بنی ہوتے نے حضرت سارہ کے دفن کے لیے قبر کی زمین مفت دی وہاں اردو بائیبل کے الفاظ یہ ہیں: ابرہام نے اٹھ کر اور بنی ہوتے کے آگے جو اس ملک کے لوگ ہیں، آداب بجالا کر ان سے یوں گفتگو کی، اور جب ان لوگوں نے قبر کی زمین ہی نہیں بلکہ ایک پورا کھیت اور ایک غار نذر میں پیش کر دیا تب ابرہام اس ملک کے لوگوں کے سامنے جھکا، مگر عربی ترجمہ میں ان دونوں موقع پر آداب بجالانے اور جھکنے کے لیے سجدہ کرنے ہی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ فقام ابراہیم و سجد لشعب الارض لبني ہوتے (تکوین: ۲۳-۷) فسجد ابراہیم امام شعب الارض (۱۲-۲۳) انگریزی بائیبل میں ان موقع پر جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں:

Bowed himself toward the ground.

Bowed himself to the people of the land and Abraham bowed.

اس مضمون کی مثالیں بڑی کثرت سے باقیبل میں ملتی ہیں اور ان سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سجدے کا مفہوم وہ ہے ہی نہیں جواب اسلامی اصطلاح کے لفظ "سجدہ" سے سمجھا جاتا ہے۔

جن لوگوں نے معاملہ کی اس حقیقت کو جانے بغیر اس کی تاویل میں سرسری طور پر یہ لکھ دیا ہے کہ اگلی شریعتوں میں غیر اللہ کو تعظیمی سجدہ کرنا یا سجدہ تحریۃ بجالانا جائز تھا انہوں نے محض ایک بے اصل بات کہی ہے۔ اگر سجدے سے مراد وہ چیز ہو جسے اسلامی اصطلاح میں سجدہ کہا جاتا ہے، تو وہ خدا کی بھیجی ہوئی کسی شریعت میں کبھی کسی غیر اللہ کے لیے جائز نہیں رہا ہے۔ باقیبل میں ذکر آتا ہے کہ بابل کی اسیری کے زمانے میں جب اخسوسیر سبادشاہ نے ہمان کو اپنا امیر الامر اتنا یا اور حکم دیا کہ سب لوگ اس کو سجدہ تعظیمی بجالایا کریں تو مرد کی جوبنی اسرائیل کے اولیاء میں سے تھے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا (آستر ۳: ۱-۲) تلمود میں اس واقعہ کی شرح کرتے ہوئے اس کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے :

”بادشاہ کے ملازموں نے کہا آخر تو کیوں ہمان کو سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے؟ ہم بھی آدمی ہیں مگر شاہی حکم کی تعییل کرتے ہیں، اس نے جواب دیا تم لوگ نادان ہو، کیا ایک فانی انسان جو کل خاک میں مل جانے والا ہے اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس کی بڑائی مانی جائے؟ کیا میں اس کو سجدہ کروں جو ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا، کل بچہ تھا آج جوان ہے کل بوڑھا ہو گا اور پرسوں مر جائے گا؟ نہیں میں تو اس ازلی وابدی خدا ہی کے آگے جھکوں گا جو حی و قیوم ہے۔ وہ جو کائنات کا خالق اور حاکم ہے، میں تو بس اسی کی تعظیم بجا لاؤں گا، اور کسی کی نہیں۔“

یہ تقریر نزول قرآن سے تقریباً ایک ہزار برس پہلے ایک اسرائیلی مومن کی زبان سے ادا ہوئی ہے اور اس میں کوئی شائਬہ تک اس تخيیل کا نہیں پایا جاتا کہ غیر اللہ کو کسی معنی میں بھی "سجدہ" کرنا جائز ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 71 ▲

یہ چند فقرے جو اس موقع پر حضرت یوسف کی زبان سے نکلے ہیں ہمارے سامنے ایک سچے مومن کی سیرت کا عجیب دلکش نقشہ پیش کرتے ہیں، صحرائی گلمہ بانوں کے خاندان کا ایک فرد جس کو خود اس کے بھائیوں نے حسد کے مارے ہلاک کر دینا چاہا تھا زندگی کے نشیب و فراز دیکھتا ہوا بالآخر دنیوی عروج کے انتہائی مقام پر پہنچ گیا ہے، اس کے قحط زدہ اہل خاندان اب اس کے دست نگر ہو کر اس کے حضور آئے ہیں۔ یہ اور وہ حاسد بھائی بھی جو اس کو مار ڈالنا چاہتے تھے، اس کے تخت شاہی کے سامنے سرگوں کھڑے ہیں۔ یہ موقع دنیا کے عام دستور کے مطابق فخر جتنا، ڈینگیں مارنے، گلے اور شکوئے کرنے، اور طعن و ملامت کے تیر بر سانے کا تھا، مگر ایک سچا خدا پرست انسان اس موقع پر کچھ دوسرے ہی اخلاق ظاہر کرتا ہے، وہ اپنے اس عروج پر فخر نے کے بجائے اس خدا کے احسان کا اعتراف کرتا ہے جس نے اسے یہ مرتبہ عطا کیا، وہ خاندان والوں کو اس ظلم و ستم پر کوئی ملامت نہیں کرتا جو وائل عمر میں انہوں نے اس پر کیے تھے، اس کے بر عکس وہ اس بات پر شکر ادا کرتا ہے کہ خدا نے اتنے دنوں کی جدائی کے بعد ان لوگوں کو مجھ سے ملایا۔ وہ حاسد بھائیوں کے خلاف شکایت کا ایک لفظ زبان سے نہیں نکالتا، حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کہتا کہ انہوں نے میرے ساتھ برائی کی تھی۔ بلکہ ان کی صفائی خود ہی اس طرح پیش کرتا ہے کہ شیطان نے میرے اور ان کے درمیان برائی ڈال دی تھی اور پھر اس برائی کے بھی برے پہلو چھوڑ کر اس کا یہ اچھا پہلو پیش کرتا ہے کہ خدا جس مرتبے پر مجھے پہنچانا چاہتا تھا اس کے لیے یہ لطیف تدبیر اس نے فرمائی، یعنی بھائیوں سے شیطان نے جو کچھ کرایا اسی میں حکمت الہی کے مطابق میرے لیے خیر تھی، چند الفاظ میں یہ سب کچھ کہہ جانے کے بعد وہ بے اختیار اپنے خدا کے آگے جھک جاتا ہے، اس کا شکر ادا کرتا ہے کہ تو نے مجھے بادشاہی دی اور وہ قابلیتیں بخشیں جن کی بدولت میں قید خانے میں سڑنے کے بجائے آج دنیا کی سب سے بڑی

سلطنت پر فرماں روائی کر رہا ہوں، اور آخر میں خدا سے کچھ مانگتا ہے تو یہ کہ دنیا میں جب تک زندہ رہوں تیری بندگی و غلامی پر ثابت قدم رہوں، اور جب اس دنیا سے رخصت ہوں تو مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دیا جائے کسی قدر بلند اور کتنا پاکیزہ ہے یہ نمونہ سیرت!

حضرت یوسفؑ کی اس قیمتی تقریر نے بھی باسیبل اور تلمود میں کوئی جگہ نہیں پائی ہے، حیرت ہے کہ یہ کتابیں قصوں کی غیر ضروری تفصیلات سے تو بھری پڑی ہیں مگر جو چیزیں کوئی اخلاقی قدر و قیمت رکھتی ہیں اور جن سے انبیاء کی اصلی تعلیم اور ان کے حقیقی مشن اور ان کی سیرتوں کے سبق آموز پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ان سے ان کتابوں کا دامن خالی ہے۔

یہاں یہ قصہ ختم ہو رہا ہے اس لیے ناظرین کو پھر اس حقیقت پر متنبہ کر دینا ضروری ہے کہ قصہ یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن کی یہ روایت اپنی جگہ ایک مستقل روایت ہے، باسیبل یا تلمود کا چربہ نہیں ہے، تینوں کتابوں کا مقابل مطالعہ کرنے سے یہ بات بات واضح ہو جاتی ہے کہ قصہ کے متعدد اہم اجزاء میں قرآن کی روایت ان دونوں سے مختلف ہے۔ بعض چیزیں قرآن ان سے زائد بیان کرتا ہے، بعض ان سے کم، اور بعض میں ان کی تردید کرتا ہے، لہذا کسی کے لیے کہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قصہ سنایا وہ بنی اسرائیل سے سن لیا ہو گا۔

▲ سورۃ یوسف حاشیہ نمبر: 72

یعنی ان لوگوں کی ہٹ دھرمی کا عجیب حال ہے، تمہاری نبوت کی آزمائش کے لیے بہت سوچ سمجھ کر اور مشورے کر کے جو مطالبہ انہوں نے کیا تھا اسے تم نے بھری محفل میں بر جستہ پورا کر دیا، اب شاید تم متوقع ہو گے کہ اس کے بعد تو انہیں یہ تسلیم کر لیتے ہیں کوئی تامل نہ رہے گا کہ تم یہ قرآن خود تصنیف نہیں کرتے ہو بلکہ واقعی تم پر وحی آتی ہے، مگر یقین جانو کہ یہ اب بھی نہ مانیں گے اور اپنے انکار پر مجھے رہنے کے

لیے کوئی دوسرا بہانہ ڈھونڈنا لیں گے کیونکہ ان کے نہ ماننے کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ تمہاری صداقت کا اطمینان حاصل کرنے کے لیے یہ کھلے دل سے کوئی معقول دلیل چاہتے تھے اور وہ ابھی تک انہیں نہیں ملی، بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمہاری بات یہ ماننا چاہتے نہیں ہیں، اس لیے ان کو تلاش دراصل ماننے کے لیے کسی دلیل کی نہیں بلکہ نہ ماننے کے لیے کسی بہانے کی ہے۔ اس کلام سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی غلط فہمی کو رفع کرنا نہیں ہے، اگرچہ بظاہر خطاب آپ ہی سے ہے، لیکن اس کا اصل مقصد مخاطب گروہ کو جس کے مجمع میں یہ تقریر کی جا رہی تھی، ایک نہایت لطیف و بلیغ طریقہ سے اس کی ہٹ دھرمی پر متنبہ کرنا ہے، انہوں نے اپنی محفل میں آپ کو امتحان کے لیے بلا یا تھا اور اچانک یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر تم نبی ہو تو بتاؤ بنی اسرائیل نے مصر جانے کا قصہ کیا ہے، اس کے جواب میں ان کو وہیں اور اسی وقت پورا قصہ سنادیا گیا اور آخر میں یہ مختصر ساقرہ کہہ کر آئینہ بھی ان کے سامنے رکھ دیا گیا کہ ہٹ دھرمی مواس میں اپنی صورت دیکھ لو، تم کس منہ سے امتحان لینے بیٹھے تھے؟ معقول انسان اگر امتحان لیتے ہیں تو اس لیے لیتے ہیں کہ اگر حق ثابت ہو جائے تو اسے مان لیں گے، مگر تم وہ لوگ ہو جو اپنا منہ مانگا ثبوت مل جانے پر بھی مان کر نہیں دیتے۔

▲ سورہ یوسف حاشیہ نمبر: 73

اوپر کی تنبیہ کے بعد یہ دوسری لطیف تر تنبیہ ہے جس میں ملامت کا پہلو کم اور فہماش کا پہلو زیادہ ہے، اس ارشاد کا خطاب بھی بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر اصل مخاطب کفار کا مجمع ہے اور اس کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ کے بندو غور کرو، تمہاری یہ ہٹ دھرمی کس قدر بے جا ہے، اگر پیغمبر نے اپنے کسی ذاتی مفاد کے لیے دعوت و تبلیغ کا یہ کام جاری کیا ہوتا یا اس نے اپنی ذات کے لیے کچھ بھی چاہا ہوتا تو بے شک تمہارے لیے یہ کہنے کا موقع تھا کہ ہم اس مطلبی آدمی کی بات کیوں مانیں، مگر تم دیکھ رہے ہو کہ یہ شخص

بے غرض ہے، تمہاری اور دنیا بھر کی بھلانی کے لیے نصیحت کر رہا ہے اور اس میں اس کا اپنا کوئی مقاد پوشیدہ نہیں ہے، پھر اس کا مقابلہ اس ہٹ دھرمی سے کرنے میں آخر کیا معقولیت ہے؟ جو انسان سب کے بھلے کے لیے ایک بات بے غرضی کے ساتھ پیش کرے اس سے کسی کو خواہ مخواہ ضد کیوں ہو؟ کھلے دل سے اس کی بات سنو، دل کو لگتی ہو تو مانو، نہ لگتی ہونے مانو۔

وَكَانُوا مِنْ أَيَّتِهِ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَرْسُوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿١٣٥﴾ وَمَا يُؤْمِنُ
 أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴿١٣٦﴾ أَفَأَمْنَوْا أَنْ تَأْتِيهِمْ غَآشِيَةً مِنْ حَذَابِ اللَّهِ أَوْ
 تَأْتِيهِمُ السَّاعَةُ بَعْتَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٣٧﴾ قُلْ هَذِهِ سَبِيلُنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ
 أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَسُبْحَنَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٨﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا
 رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرْبَىٰ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ
 عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٣٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا
 اسْتَيْعَسَ الرَّسُولُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرٌ نَّاسٌ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا
 عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّلْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا
 يُفْتَرِى وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدَىٰ وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ

يُؤْمِنُونَ ﴿١٤١﴾

دکو٤ ۱۲

زمیں ⁷⁴ اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے ہیں اور ذرا تو وجہ نہیں کرتے۔ ⁷⁵ ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اُس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ ⁷⁶ کیا یہ مطمئن ہیں کہ خدا کے عذاب کی کوئی بلا نہیں دبو جنہے لے گی یا بے خبری میں قیامت کی گھڑی اچانک ان پر نہ آجائے گی؟ ⁷⁷ تم ان سے صاف کہہ دو کہ ”میرا رستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بُلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی، اور اللہ پاک ہے ⁷⁸ اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔“

اے محمد، تم سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے تھے وہ سب بھی انسان ہی تھے، اور انہی بستیوں کے رہنے والوں میں تھے، اور انہی کی طرف ہم وحی بھیجتے رہے ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان قوموں کا انجام انہیں نظر نہ آیا جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں؟ یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے اور زیادہ بہتر ہے جنہوں نے پیغمبروں کی بات مان کر تقویٰ کی روشن اختیار کی۔ کیا اب بھی تم لوگ نہ سمجھو گے؟ ⁷⁹

﴿پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی یہی ہوتا رہا ہے کہ وہ مُدّتوں نصیحت کرتے رہے اور لوگوں نے سن کرنے دیا﴾
یہاں تک کہ جب پیغمبر لوگوں سے مایوس ہو گئے اور لوگوں نے بھی سمجھ لیا کہ ان سے جھوٹ بولا گیا تھا، تو یک ہماری مدد پیغمبروں کو پہنچ گئی۔ پھر جب ایسا موقع آ جاتا ہے تو ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ جسے ہم چاہتے ہیں بچالیتے ہیں اور مجرموں پر سے تو ہمارا عذاب ٹالا ہی نہیں جا سکتا۔

اگلے لوگوں کے ان قصوں میں عقل و هوش رکھنے والوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جا رہا ہے یہ بناؤٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں انہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل **80** اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت۔ ۱۲۶

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 74

اوپرے کے گیارہ رکوعوں میں حضرت یوسف کا قصہ ختم ہو گیا، اگر وحی الہی کا مقصد محض قصہ گوئی ہوتا تو اسی جگہ تقریر ختم ہو جانی چاہیے تھی، مگر یہاں تو قصہ کسی مقصد کی خاطر کہا جاتا ہے، اور اس مقصد کی تبلیغ کے لیے جو موقع بھی مل جائے اس سے فائدہ اٹھانے میں دریغ نہیں کیا جاتا، اب چونکہ لوگوں نے خود نبی کو بلا یا تھا اور قصہ سننے کے لیے کان متوجہ تھے اس لیے ان کے مطلب کی بات ختم کرتے ہی چند جملے اپنے مطلب کے بھی کہہ دیے گئے اور غایت درجہ اختصار کے ساتھ ان چند جملوں ہی میں نصیحت اور دعوت کا سارا مضمون سمیٹ دیا گیا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 75

اس سے مقصد لوگوں کو ان کی غفلت پر متنبہ کرنا ہے، زمین اور آسمان کی ہر چیز بجائے خود محض ایک چیز ہی نہیں ہے بلکہ ایک نشانی بھی ہے جو حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے، جو لوگ ان چیزوں کو محض چیز ہونے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں، وہ انسان کا سادیکھنا نہیں بلکہ جانوروں کا سادیکھنا دیکھتے ہیں، درخت کو درخت اور پہاڑ کو پہاڑ اور پانی کو پانی تو جانور بھی دیکھتا ہے اور اپنی اپنی ضرورت کے لحاظ سے ہر جانور ان چیزوں کا مصرف بھی جانتا ہے، مگر جس مقصد کے لیے انسان کو حواس کے ساتھ سوچنے والا دماغ بھی دیا گیا ہے، وہ صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ آدمی ان چیزوں کو دیکھے اور ان کا مصرف اور استعمال معلوم کرے، بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی حقیقت کی جستجو کرے اور ان نشانیوں کے ذریعہ سے اس کا سراغ لگائے،

اسی معاملہ میں اکثر انسان غفلت بر تر رہے ہیں، اور یہی غفلت ہے جس نے ان کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے، اگر دلوں پر یہ قفل نہ چڑھ لیا گیا ہو تو انبیاء کی بات سمجھنا اور ان کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانا لوگوں کے لیے اس قدر مشکل نہ ہو جاتا۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 76 ▲

یہ فطری نتیجہ ہے اس غفلت کا جس کی طرف اوپر کے فقرے میں اشارہ کیا گیا ہے جب لوگوں نے نشان راہ سے آنکھیں بند کیں تو سیدھے راستے سے ہٹ گئے اور اطراف کی جھاڑیوں میں پھنس کر رہ گئے، اس پر بھی کم انسان ایسے ہیں جو منزل کو بالکل ہی گم کر چکے ہوں اور جنہیں اس بات سے قطعی انکار ہو کہ خدا ان کا خالق و رازق ہے، پیشتر انسان جس گمراہی میں مبتلا ہیں وہ انکار خدا کی گمراہی نہیں بلکہ شرک کی گمراہی ہے، یعنی وہ یہ نہیں کہتے کہ خدا نہیں ہے، بلکہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ خدا کی ذات اس کی صفات، اختیارات اور حقوق میں دوسرے بھی کسی نہ کسی طرح شریک ہیں، یہ غلط فہمی ہرگز نہ پیدا ہوتی اگر زمین و آسمان کی ان نشانیوں کو نگاہ عترت سے دیکھا جاتا جو ہر جگہ اور ہر آن خدائی کی وحدت کا پتہ دے رہی ہیں۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 77 ▲

اس سے مقصود لوگوں کو چونکا ہے کہ فرصت زندگی کو دراز سمجھ کر اور حال کے امن کو دائم خیال کر کے فکر مال کو کسی آنے والے وقت پر نہ ٹالو، کسی انسان کے پاس بھی اس امر کے لیے کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اس کی مہلت حیات فلاں وقت تک یقیناً باقی رہے گی، کوئی نہیں جانتا کہ کب اچانک اس کی گرفتاری ہو جاتی ہے اور کہاں سے کس حال میں وہ پکڑ بلایا جاتا ہے، تمہارا شب و روز کا تجربہ ہے کہ پرده مستقبل ایک لمحہ پہلے بھی خبر نہیں دیتا کہ اس کے اندر تمہارے لیے کیا چھپا ہوا ہے، لہذا کچھ فکر کرنی ہے تو ابھی کر لوزندگی کی جس راہ پر چلے جا رہے ہو اس میں آگے بڑھنے سے پہلے ذرا ٹھہر کر سوچ لو کہ کیا یہ راستہ ٹھیک ہے؟ اس کے درست ہونے کے لیے کوئی واقعی جدت موجود ہے؟ اس کے راہ راست ہونے کی کوئی دلیل آثارِ کائنات

سے مل رہی ہے؟ اس پر چلنے کے جو نتائج تمہارے ابناۓ نوع پہلے دیکھے چکے ہیں اور جو نتائج اب تمہارے تدریں میں رو نما ہو رہے ہیں وہ یہی تصدیق کرتے ہیں کہ تم ٹھیک جا رہے ہو۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 78 ▲

یعنی ان باتوں سے پاک جو اس کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں، ان نقائص اور کمزوریوں سے پاک جو ہر مشرکانہ عقیدے کی بنابر لازماً اس کی طرف منسوب ہوتی ہیں، ان عیوب اور خطاؤں اور برائیوں سے پاک جن کا اس کی طرف منسوب ہونا شرک کا منقطعی نتیجہ ہے۔

سورة یوسف حاشیہ نمبر: 79 ▲

یہاں ایک بہت بڑے مضمون کو دو تین جملوں میں سمیٹ دیا گیا ہے، اس کو اگر کسی تفصیلی عبارت میں بیان کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے یہ لوگ تمہاری بات کی طرف اس لیے توجہ نہیں کرتے کہ جو شخص کل ان کے شہر میں پیدا ہوا اور انہی کے درمیان بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوا اس کے متعلق یہ کیسے مان لیں کہ یکا یک ایک روز خدا نے اسے اپنا سفیر مقرر کر دیا، لیکن یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے جس سے آج دنیا میں پہلی مرتبہ انہی کو سابقہ پیش آیا ہو، اس سے پہلے بھی خدا اپنے نبی بھیج چکا ہے اور وہ سب بھی انسان ہی تھے، پھر یہ بھی کبھی نہیں ہوا کہ اچانک ایک اجنہی شخص کسی شہر میں نمودار ہو گیا ہوا اور اس نے کہا ہو کہ میں پیغمبر بناؤ کر بھیجا گیا ہوں، بلکہ جو لوگ بھی انسانوں کی اصلاح کے لیے اٹھائے گئے وہ سب ان کی اپنی ہی بستیوں کے رہنے والے تھے، مسیح، موسیٰ، ابراہیم، نوح (علیہم السلام) آخر کون تھے؟ اب تم خود ہی دیکھ لو کہ جن قوموں نے ان لوگوں کی دعوت اصلاح کو قبول نہ کیا اور اپنے بے بنیاد تخیلات اور بے لگام خواہشات کے پیچھے چلتی رہیں ان کا انجام کیا ہوا، تم خود اپنے تجارتی سفروں میں عاد، ثمود، مدین اور قوم لوط وغیرہ کے تباہ شدہ علاقوں سے گزرتے رہے ہو، کیا وہاں کوئی سبق تمہیں نہیں ملا؟ یہ انجام جوانہوں نے دنیا میں دیکھا یہی تو خبر دے رہا ہے کہ عاقبت میں وہ اس سے بدتر ان杰ام دیکھیں گے۔ اور یہ کہ جن لوگوں

نے دنیا میں اپنی اصلاح کر لی وہ صرف دنیا ہی میں ابھے نہ رہے آخرت میں ان کا انجام اس سے بھی زیادہ بہتر ہو گا۔

▲ سورہ یوسف حاشیہ نمبر: 80

یعنی ہر اس چیز کی تفصیل جو انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ضروری ہے، بعض لوگ "ہر چیز کی تفصیل" سے مراد خواہ مخواہ دنیا بھر کی چیزوں کی تفصیل لے لیتے ہیں، اور پھر انکو یہ پریشانی پیش آتی ہے کہ قرآن میں جنگلات اور طب اور ریاضی اور دوسرے علوم و فنون کے متعلق کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

QuranUrdu.com